

روح الصيام

(روزہ کی روح)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	فلسفیانہ خطبہ	۸
۳	ایک منطقی کی حکایت	۹
۴	غالی منطقی کا علاج	۹
۵	خوبی تکرار	۱۰
۶	حق تعالیٰ کی شفقت	۱۲
۷	عجب خلوص	۱۲
۸	عنایت و رعایت	۱۳
۹	تاثیر اجزاء	۱۶
۱۰	ساکین کی تسلی	۱۷
۱۱	مجالست محبوب	۱۸

۲۰	آغوشِ رحمت	۱۲
۲۲	شیوہ زندان	۱۳
۲۳	غیر محسوس نفع	۱۴
۲۴	مبارک تقلید	۱۵
۲۵	منحوس تحقیق	۱۶
۲۶	حقیقی عقل	۱۷
۲۶	کفر طریقت	۱۸
۲۸	ضرورتِ تقلید	۱۹
۲۹	مشقت کے بعد حصولِ نعمت کی قدر	۲۰
۳۱	قوتِ علم و عمل	۲۱
۳۳	علوم و جدیدہ	۲۲
۳۴	گرمی اور رمضان	۲۳
۳۵	تراویح اور پنکھا	۲۴
۳۷	محبتِ الہی کا مقتضاء	۲۵
۳۸	اللہ کا لطف و کرم	۲۶
۳۹	ادراکِ اوامر	۲۷

۲۸	محکمہ نفع و ضرر	۴۰
۲۹	مقصود روزہ	۴۱
۳۰	غلبہ نیاز	۴۱
۳۱	مجذوبوں کی مثال	۴۲
۳۲	اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں	۴۳
۳۳	احکام اسرار	۴۴
۳۴	تاخیر روزہ	۴۶
۳۵	گناہوں سے بچنے میں روزہ کا دخل	۴۹
۳۶	نفع روزہ	۴۹
۳۷	چلہ رمضان	۵۰
۳۸	خلوص کی اہمیت	۵۱
۳۹	تاخیر چلہ	۵۲
۴۰	اہل علم کا دنیاوی ترقی سے احتراز کی وجہ	۵۳
۴۱	رمضان کے چلہ کی تحقیق	۵۴
۴۲	روح صوم	۵۵
۴۳	صورتِ صوم	۵۶

۳۴	مجاہدے کی اہمیت	۵۸
۳۵	مصدق اعظم روزہ	۵۸
۳۶	تفصیل مجاہدہ	۶۰
۳۷	جنگی فی العمت	۶۱
۳۸	ارکان مجاہدہ	۶۲
۳۹	بسیار خوری	۶۳
۵۰	اسباب ضعف	۶۴
۵۱	نسبت کے حصول کا طریقہ	۶۵
۵۲	مجاہدہ معتدلہ	۶۶
۵۳	تجویز مجاہدہ	۶۷
۵۴	دائمی روزہ	۶۸
۵۵	مشقت کا علاج	۶۹
۵۶	ذکر کی برکت	۷۰

وعظ

روح الصيام

(روزہ کی روح)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وعظ ۲/ رمضان
المبارک ۱۳۳۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں جمعہ کے روز بیٹھ کر
ارشاد فرمایا۔

سامعین کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔
مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم نے اسے قلم بند فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمدہ و نستعينہ و نستغفرہ و نؤمن به و نتوكل
عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا
مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا
شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله
تعالى عليه و على آله و اصحابه و بارك و سلم اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (۱)

تمہید

یہ تو اس آیت کے سننے ہی سے معلوم ہو گیا کہ روزہ کے متعلق بیان ہوگا
کیونکہ اس میں روزہ کا مضمون ہے۔ لیکن یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ ہم تو اس کے متعلق
بہت مرتبہ سن چکے ہیں پھر بار بار اعادہ کی کیا ضرورت ہے؟

صاحبو! آپ بھی تو ایک ہی فعل کا بہت مرتبہ اعادہ کیا کرتے ہیں (۲) رات کو
کھانا کھا چکتے ہیں پھر صبح کو کھاتے ہیں۔ صبح کو کھا چکتے ہیں پھر شام کو کھاتے ہیں۔ یہ کیا
بات ہے کہ وعظ کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا اور اپنے روز مرہ کے افعال پر

(۱) ”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم
متقی بن جاؤ“ سورہ بقرہ: ۱۸۳ (۲) آپ بھی ایک ہی کام کو کئی مرتبہ کیا کرتے ہیں۔

یہ خیال نہ ہوا، اگر یہ کہو کہ کھانے کی تو ضرورت ہے تو جو ضرورت وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے۔ مگر بات یہ ہے روٹی کو تو غذا سمجھتے ہو اور اسے نہیں سمجھتے حالانکہ جس طرح جسم کی غذا ہے اسی طرح روح کی بھی غذا ہے جس طرح جسم کو ہر وقت غذائے جدید کی ضرورت ہے کیونکہ حرکات مختلفہ سے جو اجزاء متخلل ہو گئے ہیں (۱)۔ قیام بدن کے لئے اُن کے بدل کی ضرورت ہے اسی طرح جو غذائے روحانی تم کو پارسل (۲) یا دو چار مہینے پہلے مل چکی ہے وہ غذا جزو روح بن کر نفس کی حرکات مختلفہ کبر، حسد، بغض، ریا وغیرہ سے متخلل ہو چکی۔ (۳) پس جس طرح غذائے جسمانی بدل مایہ متخلل (جسم کے جو اجزاء تحلیل ہو گئے ان کا عوض) بن جاتی ہے اسی طرح وعظ بھی بھولے ہوئے مضامین کا بدل ہے۔ اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ وعظ کے اعادہ کی بھی وہی ضرورت ہے جو غذا کے اعادہ کی ہے۔ اور وعظ کی بھی وہی غایت ہے جو غذا کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ غذا جزو بدن بنتی ہے اور وعظ جزو روح، اب اگر وعظ کا اعادہ ہو تو ضرورت سے خالی نہیں۔

فلسفیانہ خبط

یہیں سے راز اُن مضامین کے اعادہ کا سمجھ میں آ گیا ہوگا جو حق تعالیٰ کے کلام میں بار بار آئے ہیں۔ اہل فلسفہ کو یہ خبط ہے کہ انہیں قرآن مجید کے تکرار مضامین پر بہت سے شبہات ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز میں فلسفہ کارنگ ڈھونڈتے ہیں اور وہی اُن کے دماغوں میں بسا ہوا ہے حتیٰ کہ عادات و معاشرت روزمرہ میں بھی اسی

(۱) کیونکہ دن بھر کی مختلف حرکات کی وجہ سے غذاء کے وہ اجزاء جسم میں تحلیل ہو کر اس کا حصہ بن گئے اب مزید غذا کی ضرورت ہے (۲) پچھلے سال (۳) روح کی مختلف حرکات کبر حسد وغیرہ سے تحلیل ہو کر روح کا جزو بدن بن چکی ہے۔

کا خبط غالب ہوتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجھے تصور شیخ کا مسئلہ نقل کرنے کو دیا تھا۔ میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ ایک نووارد معقولی طالب علم آئے اور پوچھنے لگے کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا تصور شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں کہنے لگے کون شیخ؟ بوعلی سینا! اللہ اکبر اتنا غلو^(۱) کہ جب شیخ بولو تو بوعلی سینا ہی مراد ہو۔

ایک منطقی کی حکایت

ایک شخص کی حکایت سنی ہے کہ وہ تیل لینے کسی تیلی کے کولہو پر گئے دیکھا کولہو میں نیل چل رہا ہے اور نیل کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی ہے، پوچھا میاں تیلی گھنٹی لٹکانے میں کیا حکمت ہے؟ اس نے کہا میاں ہم غریب لوگ ہیں ہمارے ذمہ اور بھی بہت سے کام ہیں۔ آدمی نہیں رکھ سکتے۔ ایک دفعہ ہنکا کے چلے جاتے ہیں^(۲) اور اس گھنٹی کی آواز سے یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ نیل چل رہا ہے۔ جب آواز رک جاتی ہے تو آ کے پھر ہنکا دیتے ہیں۔ کہنے لگے آواز سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ نیل چل رہا ہے ممکن ہے کہ نیل کھڑا ہوا گردن ہلاتا ہو اور اس لئے گھنٹی کی آواز آتی رہتی ہو۔ اس نے کہا میاں آپ یہاں سے کہیں اور جگہ تشریف لے جائیے۔ ہم آپ کے ہاتھ تیل بھی نہیں بیچتے۔ آپ تو اس نیل کو بھی اپنی طرح منطقی بنادیں گے۔ پھر وہ نیل بھی نہیں رہے گا۔

غالی منطقی کا علاج

ایک اور حکایت ہے کہ ایک طالب علم کہیں وطن سے باہر تحصیل علم کرنے گئے تھے جب فراغت کر کے وطن واپس آئے تو باپ نے اپنے جی میں یہ خیال کیا^(۳) کہ صاحبزادے بہت دور سے بہت دن کے بعد آئے ہیں لاؤ کھانے میں

(۱) حد سے گذرنا (۲) نیل کو چلا کر دوسرے کام کے لئے چلے گئے (۳) دل میں سوچا۔

آج کچھ تکلف کر دیں، غریب آدمی تھے گھر میں دو بیٹے (۱) تھے وہ تلوائے جب کھانا کھانے بیٹھے دسترخوان پر تین آدمی تھے، ایک وہی منطقی طالب علم اور اُن کا چھوٹا بھائی اور ایک باپ، ان حضرت کو معقول کا جوش اٹھا باپ سے کہنے لگے کہ میں ایسا علم پڑھ کے آیا ہوں کہ ان دواؤں کے سوائے بنا سکتا ہوں۔ باپ کو یہ سن کر بہت تعجب ہوا کہنے لگے ہاں بیٹا کیونکر بنتے ہیں تو ضرور بناؤ، کہنے لگے دیکھئے ایک یہ انڈہ اور ایک یہ اور ایک ان دونوں کا مجموعہ تین ہوئے پھر تین یہ اور ایک ان تینوں کا مجموعہ چار ہو گئے ”وہلم جرا الی مالا یتناہی“ (۲)۔ اسی طرح اعتبار کرتے چلے جاؤ سو کیا بے شمار انڈے بنتے چلے جائیں گے۔ باپ نے اس خط کا عملی اور نہایت لطیف جواب یہ دیا کہ ایک انڈہ چھوٹے بیٹے کو اٹھا کر دے دیا اور ایک خود اٹھالیا اور اُن سے کہا جو اٹھانوںے انڈے تم نے گئے ہیں وہ تم کھاؤ۔ اب تو میاں کی آنکھیں کھل گئیں۔

غرض فلسفہ میں غلو ہو جاتا ہے (۳) تو ہر چیز میں اسی کا رنگ نظر آتا ہے اور ہر شے کو اسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ اسی واسطے ہمارے بزرگ تمام علوم کو مخلوط کر کے پڑھاتے ہیں کہ نرے فلسفہ سے فلسفیانہ خط اور غلو نہ ہو جائے۔

بعضے یورپ والے اس طرز کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں پہلے علومِ آلیہ سے (۴) سے فراغت ہو جانی چاہیئے تاکہ علومِ عالیہ (۵) میں کامل بصیرت ہو۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بصیرت خاک بھی نہیں ہوتی بلکہ خط ہو جاتا ہے۔

خوبی تکرار

غرض اہل فلسفہ کے دماغ میں فلسفہ یہاں تک رچ گیا کہ وہ قرآن مجید کو بھی چاہتے ہیں کہ کتب فلسفہ کے طرز پر ہو۔ معقولی کتابوں میں تو تکرار عیب ہے (۱) دواؤں (۲) اور اسی طرح غیر متناہی گنتے جائیے (۳) حد سے تجاوز (۴) وہ علوم جو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ممد و معاون ہیں جیسے منطق و فلسفہ وغیرہ (۵) قرآن وحدیث کا علم۔

اور قرآن مجید میں تکرار اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے کسی کی حس صحیح اور عقل سلیم ہو تو وہ جانے کے تکرار کیا کچھ جذب مقناطیسی رکھتی ہے۔ (۱) کتب معقولات (۲) میں تو ضابطہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں دوسرا طرز اختیار کیا گیا ہے اور وہ طرز ضابطہ کا طرز نہیں ہے بلکہ شفقت کا طرز ہے دیکھ لو جب باپ اپنے بیٹے کو ایک دن نصیحت کرتا ہے دوسرے دن جب اس کو نصیحت پر عمل کرتے نہیں دیکھتا پھر وہی نصیحت کرتا ہے پھر خلاف کرتے دیکھتا ہے پھر وہی نصیحت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر سومرتبہ بھی ضرورت پڑے گی تو یہ سومرتبہ برابر وہی نصیحت کرتا رہے گا۔ نہ اس کو یہ خیال ہوگا کہ ایک ہی بات کا کیا بار بار اعادہ کروں۔ اور نہ کسی اور ہی کو اس اعادہ و تکرار پر اعتراض ہوگا۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی شفقت ہے۔ شفقت کے ہوتے ہوئے ضابطہ کا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور اگر باپ اپنے بیٹے کی تربیت اسی طرح کرے کہ ایک بار کہہ کر پھر نہ کہے کہ ایک مرتبہ تو کہہ چکا ہوں تو سب سے پہلے یہی معقولی حضرات نامعقول بن کر اعتراض کریں گے کہ تم تو بیٹے کے ساتھ قانونی برتاؤ کرتے ہو۔ اپنے اوپر سے الزام اتارتے ہو۔

ایک استاد کے دو شاگرد ہوں ایک محبوب دوسرا مبغوض۔ دونوں کے ساتھ استاد کا برتاؤ جدا جدا ہوگا۔ مثلاً دونوں سے ایک دفعہ کہے گا پڑھو اگر دونوں پھر خاموش ہو جائیں گے تو محبوب سے کہے گا پڑھ۔ اگر پھر خاموش ہو جائے گا تو اس سے زیادہ سختی سے کہے گا اور اس مبغوض سے دوبارہ کچھ نہ کہے گا کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ اسے کل پیڑوں بھی اور الزام بھی نہ آوے اور اس دوسرے کے ساتھ محبت ہے اس لئے بار بار کہتا ہے کہ کل نہ پڑے۔ کیوں صاحب ان دونوں کے درمیان کیا تفاوت (۳) سمجھیں گے یہی کہ اس کی شفقت باعث ہوئی ہے تکرار تہیہ پر۔

(۱) تکرار مضامین میں مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت ہے (۲) منطق اور فلسفہ کی کتابوں میں (۳) فرق۔

حق تعالیٰ کی شفقت

کیا فلاسفہ یہ چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا برتاؤ ہمارے ساتھ ضابطہ کا ہو۔
حضرات! فلاسفہ اس کی قدر کیا جائیں۔ یہ تو اہل محبت ہی خوب سمجھتے ہیں کہ خدا
تعالیٰ کو ہم سے اس درجہ شفقت ہے کہ ایک بات کو دس مرتبہ کہہ کر نہیں چھوڑتے۔
پھر کہتے ہیں چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں: ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ
كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ﴾ (۱) ”کیا ہم تمہارے حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اپنی
نصیحت روک لیں گے“ نہیں بار بار نصیحت کریں گے جن پر حق تعالیٰ کی صفات
کمال کا غل (سایہ) ہے ان کو بھی مخلوق سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ کوئی سنے
یا نہ سنے برابر نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ
ع کس بشنود یا نہ شنود من گفتگوئے میکنم (۲)

اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ۔

حافظ وظیفہؒ تو دعا گفتن است و بس در بند آن مباش کہ شنید یا نشید (۳)

عجب خلوص

اس ”بشنود یا نہ شنود“ (۴) پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا سید احمد بریلوی
نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ وعظ کہا کرو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت میرا
وعظ کون سنے گا۔ فرمایا خدا سنے گا عرض کیا حضرت جب لوگ تھوڑے ہوں گے تو

(۱) سورہ زخرف: ۵ (۲) ”یعنی کوئی شخص سنے یا نہ سنے میں برابر نصیحت کئے چلا جاؤں گا“ (۳) ”اے حافظ تیرا
کام فقط دعا کرنا ہے اور بس اس بات کی فکر میں مت پڑ کہ اس نے سنایا نہ سنا“ (۴) اس سنے یا نہ سنے۔

مضامین کی آمد کہاں ہوگی فرمایا تم لوگوں کی طرف منہ ہی نہ کرو، چنانچہ لوگوں کی طرف پشت کر کے (۱) وعظ شروع کیا پھر تو بے انتہا مخلوق جمع ہونا شروع ہوگئی۔ اللہ اکبر کیا خلوص ہے کہ اگر کوئی نہ سنے گا تو خدا تو سنیں گے یہی وہ خلوص ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات منبع فیوض بنے (۲)۔ انہیں کے رفیق حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ وعظ کے لئے کہیں تشریف لے گئے چنانچہ وعظ کہا، جب ختم کر کے اٹھے اس وقت ایک شخص وعظ سننے کے اشتیاق میں پہنچا جب سنا کہ وعظ ہو چکا تو ایک آہ سرد بھری (۳) اور کہا افسوس اتنی دور سے آنے کی محنت ضائع گئی۔ مولانا نے فرمایا افسردہ کیوں ہوتے ہو چلو اب پھر کہہ دوں۔ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں لے گئے۔ وہاں صرف مولانا تھے اور وہ شخص تھا۔ مولانا نے من اولہ الی آخرہ (اول سے آخر تک) سارا وعظ اسی طرح کہہ دیا۔ کتنا سخت کام ہے کہ جو نشاط دس ہزار آدمیوں کے مجمع میں ہوا تھا۔ وہی ایک آدمی میں ہو۔ صاحبو ہم سے تو ایسا کبھی نہ ہو سکے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی مخلوق پر نظر ہی نہ تھی وہ جو کچھ کہتے ہیں خالق کی رضا کے لئے کہتے تھے۔ اور یہ خیال ہوتا تھا کہ جسے ہم راضی کرنا چاہتے ہیں وہ دس ہزار میں بھی تھا اور ایک میں بھی ہے۔ الحاصل خلوص پیدا کرنے سے ان تکراروں اور اس طرز کی قدر ہو سکتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح باپ اپنی شفقت کی وجہ سے تکرار سے دلگیر (۴) نہیں ہوتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی تکرار نہیں چھوڑتے۔

عنایت و رعایت

باپ کی شفقت پر ایک مثال یاد آئی کسی بننے کی حکایت مشہور ہے کہ اس کے گھر میں کوا آکر بیٹھا اس کا بیٹا چھوٹا تھا، اس نے پوچھا ابا یہ کیا ہے؟ کہا کہ بیٹا

(۱) پیٹھ (۲) فیوض کا سرچشمہ (۳) ایک لباس کھینچا (۴) بار بار کہنے سے تنگ نہیں ہوتا۔

اسے کوا کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس نے سومرتبہ پوچھا کہ یہ کیا ہے اور وہ برابر جواب دیتا رہا اور ذرا بھی چلیں بچیں نہ ہوا^(۱)۔ مگر اسے یہی^(۲) پر لکھتا رہا جب باوا بڑھے ہوئے^(۳) اور صاحبزادے جوان، اتفاقاً ایک کوا آکر بیٹھا پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ کہا کوا ہے، پھر پوچھا کہ کیا ہے؟ تو گھور گھار کے کہہ دیا کوا ہے۔ جب تیسری مرتبہ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو کہا کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے جو فضول بات کی رٹ لگادی، باپ نے کہا بیٹا خفا نہ ہو ذرا ٹھہر جاؤ یہ کہہ کر وہی یہی اٹھالایا اور دکھایا کہ تم نے سومرتبہ پوچھا تو میں نہ گھبرایا اور تم میرے تین ہی مرتبہ کے پوچھنے سے اس قدر گھبرا گئے اور خصوصاً آج کل غالب حالت یہی ہے کہ کوئی بیٹا باپ کو باپ سمجھ کر اطاعت نہیں کرتا۔ جب تک کمائی رہتی ہے تو کمائی کی لالچ سے خدمت کرتے رہتے ہیں اور جب وہ کمائی کے قابل نہیں رہتا تو پھر ان میں عمر کے ساتھ دو نقطے بھی بڑھ جاتے ہیں یعنی باپ سے باپ ہو جاتا ہے^(۴)۔

صاحبو! جب باپ کی یہ شفقت ہے تو شفقت پیدا کرنے والے کو کتنی شفقت ہوگی اگر حق جل شانہ کو بندوں سے بلا شفقت التفات ہوتا^(۵) تو ایک مرتبہ تو نرمی سے فرمادیتے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ پھر جب عمل نہ کرتے تو دوبارہ ڈانٹ کر فرماتے۔ پھر تیسری مرتبہ چَپَٹ بھی لگتی^(۶) پھر برابر جب تک عمل نہ کرتے چَپَٹ لگتی رہتی۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا کہ برابر گناہ دیکھتے ہیں اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ یہ بھی تو نہیں ہوتا کہ مدت دراز کے سمجھانے کے بعد ہی قوم نوح کی طرح طوفان میں غرق کر دیئے جائیں، یا قوم لوط کی طرح طبقہ زمین الٹ دیا جائے، یا قوم عاد کی طرح تیز آندھیوں میں برباد کر دیئے جائیں یا

(۱) ذرا بھی ناراض نہ ہوا (۲) روزنامہ (ڈائری) میں لکھتا رہا (۳) ابا بوڑھا ہوا (۴) مصیبت (۵) اگر اللہ تعالیٰ کی توجہ میں شفقت نہ ہوتی (۶) تھپڑ مارا جاتا۔

بنی اسرائیل کی طرح جو گناہ کریں وہ دروازوں پر لکھ دیا جائے یا کوئی فرشتہ آکر ہلاک کر دے اسی کو شاعر کہتا ہے ۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا

ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دم بدم عنایت

اور پھر اتنی عنایت کے بعد بہت بڑی عنایت یہ ہے کہ جب خلوص سے

”اللہم اغفر لی“ (اے اللہ مجھ کو بخش دے) کہا سب نامہ اعمال سے مٹا دیا۔ یہ نہیں کیا کہ نامہ اعمال میں رہنے دیتے۔ گو معاف کر دیتے جیسا کہ عدالت میں ہوتا ہے کہ اگر مقدمہ خارج بھی کر دیا جاتا ہے تو مسل کو پھاڑ کر نہیں پھینک دیا جاتا بلکہ وہ داخل دفتر کر دی جاتی ہے۔ یہاں اتنے ہی سے خوش ہو جاتے ہیں اور کمال شکر گزار ہوتے ہیں اور وہاں یہ قانون ہے کہ مقدمہ بھی خارج اور مسل بھی خارج تاکہ فرشتوں کی نظر میں بزرگ ثابت ہو اور انہیں ہم پر کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رعایت، کا اسی طرح یہ تکرار مضامین بھی عین عنایت اور رعایت ہے۔ مگر بھلے مانس معترضین نے اس رعایت کی یہ قدر کی کہ اعتراض کر دیا کہ کیوں ہے یہ رعایت اپنے اوپر بھی تو یہ اعتراض کیا ہوتا کہ ہم میں کیوں ہے تکرار، کیوں ہیں دو ہاتھ دوکان دو پاؤں، وہاں تو یہ تمنا ہے کہ دو کی جگہ چار ہو جائیں تو اچھا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ کھا کر دوبارہ کیوں کھاتے ہو، ایک مرتبہ سو کر دوبارہ کیوں سوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ اعتراض ہی فضول ہے کہ جب ایک مرتبہ یہ مضمون ہو چکا تھا تو پھر کیوں ہوا۔ کیونکہ یہ موٹی سی بات ہے اکثر اگر ایک مرتبہ کہنے کا اثر نہیں ہوتا تو دوبارہ کہنے کا اثر ہو جاتا ہے۔ دیکھو حکیم سے نسخہ لکھوا کر لاتے ہو ایک ہی مرتبہ کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ تین دن پی کر دیکھتے ہو۔ اور اگر ایک مرتبہ پینے

کے بعد فائدہ محسوس نہ ہوا اور کوئی یہ رائے دے کہ اس نسخہ سے فائدہ نہیں ہوا اسے چھوڑ دو تو تم خود یہ جواب دو گے کہ ایک مرتبہ کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ کم از کم تین دن تو پینا چاہیئے۔ جب جسمانی نسخہ کی نظیر موجود ہے تو پھر روحانی نسخہ کو اسی پر کیوں نہیں قیاس کر لیتے۔

تاثیر اجزاء

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب پہلی نصیحت سے فائدہ نہ ہوا تو وہ بیکار گئی سو پہلی نصیحت نے اس استعداد کو اور قوی کر دیا۔ تیسری مرتبہ کی نصیحت نے اس استعداد کو ظاہر کر دیا جس طرح دوا میں کہ پہلی دوسری خوراک سے بھی نفع ہوا تھا۔ مگر وہ محسوس و ظاہر نہ تھا۔ تیسری خوراک سے ظاہر ہو گیا تو نفع مجموعہ پر مرتب ہوا۔ جس طرح ایک قطرہ پانی کاٹل سے پتھر کی سل پر ٹپکتا رہے تو برس دن میں مثلاً اس میں گڑھا ہو جائے گا تو کوئی عاقل یہ نہ کہے گا کہ گڑھا اخیر قطرہ سے ہوا ہے بلکہ یہ گڑھا مجموعہ قطرات کا اثر ہے۔ جس طرح اخیر قطرہ موثر ہے پہلا دوسرا قطرہ بھی موثر تھا ہاں ان کا اثر ظاہر نہ تھا۔ اب اخیر قطرے کے ساتھ مجموعہ کا اثر ظاہر ہوا اسی طرح ترازو میں پانچ سیر رائی رکھو تو پلہ جھک جائے گا مگر ایک دانہ رکھ کر دیکھو گے تو اس سے پلہ کا جھکنا محسوس نہ ہوگا اسی طرح دو تین سے بھی تا وقتیکہ اُن کی معتد بہ مقدار نہ ہو جائے۔ معتد بہ مقدار سے پلہ جھک جائے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اخیر دانہ سے جھکا بلکہ اس پلہ کے جھکانے میں مجموعہ کا ہر ہر جزو موثر ہے۔ چنانچہ کوئی سرلیج الحس ایک دانہ رائی کا عمدہ کانٹے میں ڈال کر دیکھے تو اسے فوراً پلہ کا جھکنا محسوس ہو جائے گا^(۱)۔ اس کو فلاسفہ نے بھی مان لیا ہے اور اس پر یہ تفریج کی ہے کہ زمین کا مرکز

(۱) کوئی سمجھدار آدمی کسی عمدہ قسم کی حساس ترازو میں رائی کا ایک دانہ بھی ڈالے تو وہ اسکا جھکنا محسوس کر لے گا۔

ثقل وزن کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور مرکز حجم نہیں بدلتا۔ اب ایک آن ایسی فرض کرو کہ تمام عالم سکون ہے پھر ایک چیونٹی چلی تو ساری زمین ہل گئی۔ لوگ انہیں بیوقوف کہیں گے کہ کہیں اتنی بڑی زمین اتنی سی چیونٹی سے ہل سکتی ہے۔ زمین تو بے شک ہلے گی مگر زلزلہ کی طرح نہیں ہلے گی جو محسوس ہو آپ علوم درسیہ پڑھیں تو سارے تجربات جاتے رہیں اور آپ کی بھی سمجھ میں آجائے کہ ایک چیونٹی کی حرکت سے ساری زمین کیونکر ہل سکتی ہے۔ مقصود میرا ان تمام مثالوں سے اس کی تائید کرنا ہے کہ مجموعہ کا ہر جز و موثر ہوتا ہے اب اگر اس مرتبہ کے وعظ میں نفع ہوا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے کے وعظ بیکار گئے بلکہ ان سے بھی نفع ہوا کہ انہوں نے بتدریج نفع کی استعداد پیدا کر دی (۱) مگر یہ نفع ظاہر نہ ہوا اخیر میں آکر ظاہر ہوا۔ جس طرح ایک بچہ کو کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دیکھا تو یہ بچہ بہ نسبت کل کے آج بڑھا اور اگر روز نہ بڑھے تو ایک دم سے پچاس برس کا بڑھا کیونکر ہو سکتا ہے۔

سالیکن کی تسلی

اسی طرح سالکوں کو بھی تسلی رکھنی چاہیے جن کی یہ حالت ہے کہ اگر ذکر و شغل سے کچھ واردات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے تو دلگیر ہوتے ہیں (۲) کہ ہماری محنت ضائع ہو رہی ہے کیونکہ آج کل ذاکروں کو یہ بھی خط ہے کہ ذکر و شغل شروع کرتے ہی ثمرات کے متوقع ہو جاتے ہیں۔ ”کے آمدی و کے پیر شدی“ (۳) سے یہ نہیں خیال کرتے کہ کام کب سے شروع کیا ہے، مجھے اس موقع پر ایک مثال یاد آتی ہے، ہے تو بیہودہ سی مگر نتیجہ خیز ہے عوام میں مثل مشہور ہے کہ ”رات پڑی بوند نام رکھا محمود“ ابھی نطفہ کا قیام بھی محتمل ہے مگر انہوں نے بناء الفاسد

(۱) انہوں نے درجہ بدرجہ نفع کی استعداد پیدا کر دی (۲) رنجیدہ (۳) ابھی تو آئے ہو کیا آتے ہیں پیر بن

علی الفاسد (۱) شیخ چلی کے طور پر طے کر لیا کہ لڑکا ہوگا اس کا یہ نام رکھیں گے پھر وہ بڑھے گا اس کے اولاد ہوگی اس کا یہ نام ہوگا۔ وہم چنین مسلسل (۲)۔ اب اگر بچہ نہ ہوا کہ لڑکی ہوئی تو سوچتے ہیں کہ ہائے یہ کیا ہوا۔ اسی طرح ذکر سے پہلے یہ حضرات یوں سوچ لیتے ہیں کہ اس طرح احوال ہوں گے اور کیفیات و واردات ہوں گے اور یوں انوار ہوں گے۔ اور جب شروع کیا تو اسی وقت سے اب وحی کا انتظار ہے۔ غضب کی بات ہے کہ تعلیم ظاہری میں تو میزان (۳) شروع کر کے بخاری (۴) کے فوراً متوقع نہیں ہوتے مگر تعلیم باطنی میں یہ چاہتے ہیں کہ سیڑھیاں چڑھنا نہ پڑیں ایک دم سے اڑ کے پہنچ جائیں۔ سلوک کے ساتھ اس بدسلوکی و بے صبری کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانتے نہیں کہ ذکر کیا چیز ہے۔ اگر یہ جانتے تو صبر ہوتا بلکہ ان ثمرات کا انتظار بھی نہ ہوتا کیونکہ انتظار کرنا ایک شے کے بعد دوسری شے کا اس وقت ہوتا ہے کہ یہ پہلی شے مقصود بالغرض ہو اور وہ دوسری شے مقصود بالذات ہو۔ جب یہ ذکر کے بعد ثمرات کا انتظار کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کو مقصود بالغرض سمجھتا ہے (۵) اور ان ثمرات کو مقصود بالذات۔

مجالست محبوب

خبر بھی ہے ذکر کیا شے ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے ((انا جلیس من ذکرنی)) (جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوں) ذکر محبوب کی مجالست ہے (۶) ارے ظالم تو محبوب حقیقی کی مجالست کو چھوڑ کر کسی اور چیز کے پیچھے پڑا ہے۔

(۱) ابھی تو یہی نہیں پتہ کہ استقرار حمل ہوا بھی کہ نہیں انہوں نے فرض مفروضے پر بنیاد کھڑی کر لی کہ لڑکا پیدا ہوگا (۲) اسی طرح مسلسل منصوبے بناتے رہے کہ یہ کریگا وہ کریگا وغیرہ (۳) صرف کی ابتدائی کتاب (۴) حدیث کی عظیم کتاب (۵) یعنی ذکر کو ثمرات کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے مقصود نہیں سمجھتا (۶) ذکر محبوب کی ہم نشینی ہے۔

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت ذکر کرتے بہت روز ہو گئے مگر کچھ معلوم نہیں ہوا۔ حضرت فرماتے کہ خدا کا شکر کرو کہ تمہیں ذکر ہی کی توفیق ہو گئی۔ اب اگر کوئی ثمرات کے پیچھے پڑے تو اس سے بڑھ کر اور کیا جہل ہوگا کہ اس کے نزدیک محبوب حقیقی کی مجالست بھی مقصود بالغرض ہے (۱)۔ مطلق محبوب کی مجالست کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردون ست نے قعر زمیں
ہر کجا یوسف رخنے باشد چو ماہ جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ
گفت معشوقی بعاشق کائے فتا تو بغیرت دیدہ بس شہر ہا
پس کدای شہر از آنہا خوشتر است گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است (۲)
مولانا فرماتے ہیں۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد در بیابان غمش بنشستہ فرد
کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے
ریگ کاغذ بود واگشتان قلم مے نمودی ہر کس نامہ رقم
یعنی ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے۔
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہر کیست ایں
پوچھا اے مجنوں کسے خط لکھ رہے ہو۔

(۱) اس کے نزدیک محبوب حقیقی کے پاس بیٹھنا بھی مقصود نہیں ہے (۲) ”جس جگہ محبوب ہو خوش و خرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند ہے نہ زمین سے پست۔ جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو۔ کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تم نے سیاحت میں کونسا شہر پسند کیا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے سب سے عمدہ وہ شہر ہے جہاں محبوب کی زیارت ہو عشاق نے تو یہاں تک کیا ہے اگر مسمیٰ کی مجالست نصیب نہیں ہوتی تو اسم کی مجالست کو قیمت سمجھا ہے۔“

گفت مشق نام لیلیٰ مے کنم
 خاطر خود را تسلی مے کنم
 کہنے لگا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔
 یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں مسمیٰ کی مجالست میسر نہیں فقط اسم کی مجالست پر
 قناعت کرتے ہیں اور تم ہو کہ تمہیں مسمیٰ کی مجالست پر بھی قناعت نہیں۔

آغوشِ رحمت

ہاں اگر کوئی حافظ جی ہی ہوں کہ انہیں مسمیٰ نظر نہ آتا ہو تو کیا کیا جائے۔
 اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو نظر نہیں آتا تو نظر آنے کی کیا صورت ہے۔ میں تمہیں
 خوشخبری دیتا ہوں کہ تم ذکر برابر کرتے رہو یہی تمہاری آنکھوں کا نسخہ ہے۔ ذکر ایک
 دن تمہیں قلب کا پینا بنا دے گا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

بود وائے دیدہ آمد نور ساز شد زبوائے دیدہ یعقوب باز
 خوشبو وہ چیز ہے کہ آنکھ کے لئے دوائے نور بخش ہے
 یعنی ایک خوشبو سے یعقوب کا دیدہ کھل گیا تھا بلکہ ایک دولت تمہاری تمنا
 سے بڑھ کر ہے کیونکہ محبت میں تمنا یہ ہوتی ہے کہ محبوب پاس بیٹھے اور اگر بہت
 زیادہ ہوں ہوئی تو یہ تمنا ہوتی ہے کہ محبوب میری بغل اور میرے احاطہ میں آجائے
 تمہیں ان سب سے بڑھ کر ایک ایسی حالت میسر ہے جس کی تمنا کا کبھی احتمال بھی
 نہ ہوا ہوگا۔ وہ یہ کہ محبوب تمہیں اپنی بغل میں لئے ہوئے ہے کیونکہ فرماتے ہیں کہ:
 ﴿إِلَّا أَنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ (وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) اگر کوئی معشوق
 اپنے عاشق سے یہ کہے کہ کہو تم مجھے گود میں لیتے ہو یا میں تمہیں گود میں لے لوں، تو
 واللہ اگر کچھ سلامتی فہم ہے تو کہے گا کہ میری ایسی قسمت کہاں کہ تو مجھے بغل میں لے

کے بیٹھے اس لئے کہ بغل میں لینے والا تو محبت ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو تمنا ہوتی ہے تو محیط ہونے کی ہوتی ہے خدا کی عنایت ہے کہ وہ تمہیں بغیر تمہاری تمنا کے آغوشِ رحمت میں ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ تم کسی آن میں اس سے باہر نہیں ہو سکتے اس سے بڑھ کر اب اور مجالست کیا ہوگی؟

اتنی بڑی دولت کے ہوتے ہوئے تم یہ چاہتے ہو کہ ثمرات ہوں احوال ہوں ذوق ملے شوق ملے اس کی ایسی مثال ہے کہ ۔

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ پائے بوسی اندریں دم شد گناہ (۱)
وزارت ملتی ہے مگر یہ کہتا ہے کہ نہیں مجھے تو جالی کھر پادو۔ میں وزیر نہیں بنوں گا۔ میں گھسیار ہی رہوں گا جسے ذکر کی توفیق ہو جائے یہی بڑی دولت ہے۔ ہمارے حضرت پڑھا کرتے تھے ۔

یا بزم اورا نیابم جستجوئے میکنم حاصل آید یا نیا بد آرزوئے میکنم (۲)

”یا نیابم“ بناء علی ظاہرہ ہے (۳) یعنی جسے میں ”یا بزم“ سمجھتا ہوں اس کے اعتبار سے ”نیابم“ کیونکہ یہاں تو جستجو ہی ”یا بزم“ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے اگرچہ بے سمجھے کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچتا جہاں سننے والے کا پہنچ جاتا ہے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی غزل کسی کو سنائی اس نے ایک معمولی سے شعر کو مکرر پڑھوا کر سنا اور بڑی دیر تک مزے لیتا رہا۔ مولانا نے پوچھا اس میں ایسی کوئی بات ہے جس سے تمہیں

(۱) ”بادشاہ اگر دست بوسی کے واسطے کسی کو ہاتھ دیدے تو اس وقت میں قدم چومنا جرم ہے“ (۲) ”اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں ملے یا نہ ملے آرزو کرتا ہوں“ (۳) ظاہری معنی کے اعتبار سے کہہ دیا کہ نہ پاؤں ورنہ حقیقت میں تو اس کا ذکر ہی اس کو پالینا ہے۔

لطف آرہا ہے۔ اس نے ایک ایسے معنی بیان کئے کہ مولانا کے ذہن میں بھی نہ تھے۔ خیر وہ قول یہ ہے ۔

تلاش یار میں رہنا مجاہدہ ہے یہی تصور قد جاناں مشاہدہ ہے یہی سچی بات ہے ذکر و فکر ہی مشاہدہ ہے اور ارشاد ہے: ﴿فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ﴾ یہ خدا کو یاد کرتا ہے اور خدا اس کو یاد کرتا ہے۔ پھر اتنی بڑی دولت کے ہوتے ہوئے اور کیا چاہیئے۔ غرض بعض ذاکرین ذکر خالی عن الثمرات کو ضائع سمجھتے ہیں (۱) تو اس کا بھی جواب یہی ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سمجھ لینا چاہیئے کہ پہلی مرتبہ کا ذکر بے کار نہیں کیا اس سے بھی نفع ہوا مگر محسوس نہیں ہوا۔ اخیر میں جو نفع محسوس ہوا ہے وہ مجموعہ مدت کا نفع ہے۔

شیوہ رندان

میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ علماء کو سلوک میں مجاہدہ بہت کم کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ سب سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہیں جب تک طالب علمی کرتے ہیں وہ سب مجاہدہ ہی ہے۔ سبحان اللہ کیسی اچھی بات فرمائی۔ جس دیا سلائی کو برسوں دھوپ دے چکے ہیں وہ ذرا سی گرمی پاتے ہی فوراً روشن ہو جائے گی۔ اور جس نے کبھی دھوپ نہ دیکھی ہو ہمیشہ نمی میں رہی ہو وہ بہت دقت سے جلے گی۔ بس وہ برسوں کی دھوپ اسی طرح طلب علم کی دوڑ دھوپ ضائع نہیں ہے۔ آج اس کا اثر ظاہر ہو رہا ہے اور اگر اس کو ضائع سمجھ کر بطالت اختیار کی تو محرومی رہی خوب فرمایا ہے ۔

(۱) ایسا ذکر جو ثمرات سے خالی ہو اس کو ضائع سمجھتے ہیں۔

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بدوست عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد (۱)
 جو ناز و نعمت عیش و عشرت میں رہتے ہیں انہیں کچھ نہیں ملتا طالب علموں
 ہی میں دیکھ لو جو تنعم میں رہتے ہیں ان میں خاک استعداد نہیں ہوتی۔

غیر محسوس نفع

غرض کام کرتے رہو اگر شروع میں نفع محسوس نہ ہو تو ناامید ہو کر یہ نہ سمجھو
 کہ نفع نہیں ہوا بلکہ نفع جمع ہو رہا ہے سب ایک دم سے مل جائے گا۔
 اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو ایک قیمتی حلوا خریدنا ہے۔ پانچ
 روپے کی ضرورت ہے۔ اور دو آنے کی آمدنی ہے کسی صاحب بصیرت نے بتلادیا
 کہ ایک ایک پیسہ گھڑے میں ڈالتے رہو۔ جب پانچ روپے پورے ہو جائیں گے
 تو حلوا آجائے گا۔ اب اگر وہ پانچ روپے جمع ہونے سے پہلے چاہے کہ حلوا آجائے
 تو کیسے آسکتا ہے، اے ذاکرین تمہاری روزانہ کی بارہ تسبیحیں بھی ایک ایک پیسہ ہیں
 اگر جمع نہ کرو گے تو جو شے خریدنا چاہتے ہو تو کیسے خریدو گے۔ ہاں جب پانچ روپے
 ہو جائیں گے حلوے کی قاب مل جائے گی (۲) غرض دیر ہوتی ہے ہونے دو کیونکہ دیر
 بھی حکمت حق سے ہوتی ہے۔ اس کی ایک حکمت حق تعالیٰ نے مولانا رحمہ اللہ کی
 مثنوی سے مجھے منکشف کی۔

می تو انم ہم کہ بے ایں انتظار رہ نمایم داد ہم راہ گزار
 ناز ایں طوفان دوراں وار ہی برسر گنج وصالم پانہی (۳)

(۱) ”عیش و عشرت ناز و نعمت میں پلا ہوا راہ سلوک نہیں طے کر سکتا عاشقی محنت و جفاکش لوگوں کا کام ہے“
 (۲) حلوے کا پورا تھا مل جائے گا (۳) ”یعنی مجھ کو قدرت ہے کہ بغیر انتظار کے راستہ دکلاؤں اور راہ گزار کو
 ظاہر کردوں، تاکہ زمانہ کے رنج و الم کے طوفان سے چھٹکارا پاوے میرے وصل کے خزانہ کو حاصل کر لے۔“

لیک شیرینی ولذات مقرر ہست براندازہ رنج و سفر
آنکہ از فرزند دخیشاں برخوری کز غربی رنج و محنتہا بری (۱)

مبارک تقلید

خصوصاً جس کا شیخ پاس ہو اور پھر اسے وسوسہ ہو تو تعجب ہے کیونکہ وہ شیخ تسلی کر سکتا ہے پھر اپنی رائے سے کیوں کام لے۔ ایک شخص مولانا گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے انہوں نے ایک بار اپنا کچھ حال مجھ سے کہا میں نے اس کے متعلق تحقیق بیان کی۔ کہنے لگے حضرت مولانا نے بھی یہی فرما دیا تھا۔ میرا یہ خیال تھا کہ یوں ہی تسلی کر دی۔ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا کو جھوٹا سمجھتے ہیں مولانا کو کیا غرض کہ وہ تمہاری خوشامد کریں۔ اب تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر انہیں اس بدگمانی سے توبہ کرائی اس کے بعد خدا کے فضل سے انہیں نفع ہونا شروع ہو گیا۔ جو شخص شیخ کے بتانے کے بعد بھی وسوسہ کرے یہ سمجھو کہ وہ اسے شیخ نہیں سمجھتا بلکہ اپنے نفس کو شیخ سمجھتا ہے اور اُسی کا اتباع کرتا ہے۔ رہبروں پر اعتماد نہ کرنے کی ایسی مثال ہے کہ اندھے حافظ جی کہیں دعوت میں گئے تھے جب وہاں سے لوٹے تو شاگرد کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اس نے کہا حافظ جی کھائی، حافظ جی کہنے لگے ہاں خوب کھائی، اس نے پھر کہا کھائی، انہوں نے پھر کہا خوب کھائی، یہاں تک کہ اس کے روکنے سے نہ رکے اور قدم بڑھا کر خندق میں گر پڑے۔ تو کہنے لگے کہ کمبخت یوں نہ کہا کہ حافظ جی خندق، اندھے کو چاہیے کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے اس کی تقلید کرے تحقیق کے درپے نہ ہو۔ ہاں اگر کسی معقول عذر سے اس پر اعتماد نہ

(۱) ”لیکن وطن کی لذت و لطف سفر کے رنج و محن برداشت کرنے کی مقدار پر ہے، اس وقت خویش و اقارب اہل و عیال کی صحبت کا لطف حاصل ہو سکتا ہے کہ مسافرت میں بہت تکلیفیں اور محنتیں اٹھانی ہوں۔“

رہے دوسرے کو ڈھونڈے۔ مریض اگر طبیب سے محلہ کرنے لگے (۱) تو طبیب بیزار ہو کر کبھی علاج نہ کرے گا۔ ہاں تھوڑے دنوں کی تقلید کے بعد خود بخود محقق بن جاؤ گے۔ مبارک ہے وہ تقلید جو کامیاب کر دے اور منحوس ہے وہ تحقیق جو ناکام رکھے۔

منحوس تحقیق

اس پر ایک مثل یاد آئی ایک احمق کے اونٹ پر گون بھری ہوئی تھی (۲)۔ ایک عاقل پیدل چلا جا رہا تھا۔ اس نے کہا گون میں کیا ہے؟ احمق نے کہا ایک طرف گیہوں ہے اور ایک طرف ریگ۔ (۳) پوچھا ریگ کیوں بھرا ہے؟ اس نے کہا تاکہ دونوں طرف کا وزن برابر رہے۔ عاقل نے کہا ریگ نکال ڈالو اور آدھے آدھے گیہوں دونوں طرف بھر دو تب بھی یہ مقصود حاصل ہو جائے گا اور اونٹ کو راحت رہے گی۔ احمق کی سمجھ میں آ گیا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد خوش ہو کر عاقل سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔ بہت اصرار سے وہ عاقل اونٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوری دور چلنے کے بعد اس احمق کو خیال آیا کہ جب میں باوجود احمق ہونے کے ایک اونٹ کا مالک ہوں تو یہ عقلمند ہے خدا جانے اس کے پاس کس قدر مویشی ہوں گے، اس عاقل سے پوچھا تمہارے پاس کتنے اونٹ ہیں؟ کہا ایک بھی نہیں، پوچھا کتنی گائیں ہیں؟ کہا ایک بھی نہیں، پوچھا کتنی بکریاں ہیں؟ کہا ایک بھی نہیں، پوچھا آخر کچھ بھی ہے؟ کہا کچھ بھی نہیں، کہا مہربانی کر کے آپ میرے اونٹ سے اتر جائیے اور میں آپ کے اس مشورے سے باز آیا۔ آپ کی عقل نہایت

(۱) بحث مباحثہ (۲) اونٹ پر دو طرف پوری ڈالی جاتی ہے جس میں سامان رکھ لیتے ہیں (۳) ایک طرف گیہوں اور ایک طرف ریت ہے۔

منحوس ہے کہ جس نے آپ کو ورطہ افلاس (تنگدستی کے محسوس) سے نہ نکالا۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کی نحوست سے میں بھی مفلس ہو جاؤں۔ آپ جیسے عقلمندوں سے تو میں احق ہزار درجے اچھا کہ ایک اونٹ کا مالک تو ہوں۔ اور یہ کہہ کر پھر اسی طرح ایک طرف گیہوں اور دوسری طرف ریگ بھر لیا۔

حقیقی عقل

حقیقت میں جو کم عقلی موصل الی اللہ (اللہ کی طرف پہنچانے والی) ہو وہ مبارک ہے اس عقل سے جو مانع ہو۔ بھولے بھالے اولیاء اللہ مقصود تک پہنچ گئے اور فلاسفہ یونان ٹھوکریں کھاتے پھرے عقل حقیقت میں وہ ہے جو رہبر ہو، اور جو مانع ہو (۱) تو اس کو تو یہ کہا جائے گا کہ ے

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را (۲)
یعنی جب عقل سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنا دیا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے بالکل کام نہیں لیا کیونکہ یہ بھی تو عقل ہی کا کام تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقل سے کام لینے میں غلو نہیں کیا۔

کفر طریقت

اسی کو کہا ہے ے

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رانی (۳)

(۱) جو عقل حق سے روکنے والی ہو (۲) ”عقل دور اندیش کو بارہا آزمایا اس کے بعد اپنے کو دیوانہ بنایا“

(۳) ”اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے اس طریق میں خود بینی اور خود رانی کفر ہے۔“

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری است

راہر وگر صد ہنر دارد توکل بایش (۱)

توکل کے معنی ”سپردن خود بخدا“ (اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرنا)

ہیں اور اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کرنا یہ بھی خدا ہی کے سپرد کرنا ہے۔ پس اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے اپنی عقل و رائے سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ یہ طریق وصول فن ہی دوسرا ہے۔ اگر کوئی محاسب اعلیٰ درجہ کا دریا میں قدم رکھے تو وہاں اس کی محاسبی کیا کام آسکتی ہے۔ وہاں تو غواصی (تیراکی) کی ضرورت ہے۔

بحریت بہر عشق کہ ہچش کنارہ نیست آنجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست (۲)

یہاں ”جان سپردن“ کے معنی ”ہلاک نمودن“ (ہلاک کرنا) کے نہیں ہیں

بلکہ معنی یہ ہیں کہ ”جان را بدست کسے سپردن تا از ہلاک محفوظ ماند“ (جان کو کسی کے ہاتھ میں دینا تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے) اگر تم نے اپنے کو کشتی والے کے سپرد نہ کیا تو اس بنے کی سی مثال ہوگی جو ایک بہلی پر مع اہل و عیال سفر کو چلا (۳) راستہ میں ایک دریا پڑا آپ نے بہلی کنارے رکوا دی اور خود دریا کے پانی کو بانس سے ناپنے لگے تو پانی کہیں پر گھٹنوں گھٹنوں تھا کہیں پر کمر کمر کہیں آدمی ڈوباؤ کہیں دو آدمی ڈوباؤ کہیں اس سے کم اور کہیں اس سے زیادہ، آپ نے سلیٹ پنسل لے کر حساب لگا کر پانی کی اوسط نکالی کہ کمر کمر ہے۔ اس میں سے بہلی جاسکتی ہے۔ آپ نے بہلبان سے کہا کہ بہلی لے چل۔ (۴) اب جو بیچ میں بہلی پہنچی تو لگی غوطے کھانے۔

(۱) ”طریقت میں عقل و تقویٰ پر بھروسہ کرنا کفر ہے راہ سلوک طے کرنے والا اگر سینکڑوں ہنر جانتا ہو پھر بھی اس کو توکل یعنی اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کرنا چاہئے“ (۲) ”دریائے عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اس جگہ جان سوچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے“ (۳) ایک بیل گاڑی پر بیوی بچوں سمیت سفر کر رہا تھا (۴) بیل گاڑی چلانے والے کو چوان سے کہا گاڑی پانی میں اتار لو۔

سمجھے کہ حساب میں غلطی ہوگئی۔ جھٹ نکال کر پھر دیکھا تو حساب صحیح تھا کہنے لگے ”لیکھا جوں کا توں پھر کنبہ ڈوبا کیوں“ (۱)

حضرت خوب سمجھ لو کہ سلوک میں اپنی رائے سے دریا میں بہلی کو ڈالنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ ہر جگہ اسی ہنر کی ضرورت ہے جو اس جگہ کے موافق ہو۔

ضرورتِ تقلید

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی کشتی میں سوار ہوئے فن میں ایسے کامل نہ تھے مگر چھچھور پن کا جوش تھا۔ جب تک آدمی کامل نہیں ہوتا تو چھچھور پن کا جوش ہوتا ہے چنانچہ ایک اور نحوی نماز پڑھ رہے تھے چند عورتیں آئیں اور انہوں نے کہا السلام علیکم۔ انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اور عادت کے موافق جواب میں وعلیکم السلام کہا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز پڑھنے میں خیال آیا کہ میں اتنا بڑا نحوی مشہور ہوں مجھ سے ایسی صریح غلطی ہوئی اس کی تلافی کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ نیت توڑ کر ان عورتوں کے پیچھے دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر کہنے لگے وعلیکن السلام (۲)۔ یوں تو چاہے ان عورتوں نے خیال نہ کیا ہو مگر ان کے بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہونے سے ضرور خیال کیا ہوگا، یہی چھچھور پن ہے۔

خیر وہ نحوی کشتی میں سوار ہوئے تو ملاج سے کہنے لگے تمہیں کچھ نحو بھی آتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا افسوس تم نے اپنی آدمی عمر کھوئی۔ جب کشتی چلی تو اتفاق سے ایک گرداب (بھنور) میں آگئی۔ ملاج نے پوچھا حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، ملاج نے کہا افسوس آپ نے اپنی ساری

(۱) میرا حساب تو صحیح ہے پھر کنبہ کیوں ڈوب گیا (۲) نحوی قاعدے کے مطابق مردوں کے سلام کے جواب میں وعلیکم السلام اور عورتوں کے سلام کے جواب میں وعلیکن السلام کہنا چاہئے اس لئے یہ کہا۔

عمر کھوئی۔ کشتی گرداب میں ہے اس کے ساتھ آپ بھی ڈوبیں گے میں تو تیرتا ہوا نکل جاؤں گا۔ یہاں نحو کام نہیں دے سکتی۔ یہاں محو کی ضرورت ہے۔ اگر تم بھی میری طرح فنا فی البحر (دریا میں فنا) ہوتے تو دریا تم کو نہ ڈبوتا۔ تو ہر جگہ اپنی تحقیق کام نہیں آتی۔ بلکہ دوسرے کی تقلید کی ضرورت ہے۔

ہم اتنا پڑھ چکے ہیں بہت سی کتابیں دیکھ چکے ہیں مگر ہمیں اب تک نہیں معلوم کہ ربیع میں کیا ہوتے ہیں اور حریف میں کیا ہوتے ہیں (۱) یہاں ہمارا علم اور ہماری تحقیق کام نہیں دے سکتی۔ بلکہ یہاں جاہل کاشنکاروں کی تقلید کام آسکتی ہے اور اپنی تحقیق کے بھروسے اناج بونے لگیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مشقت بھی ہوگی اناج بھی جائے گا اور کچھ بھی ہاتھ نہ لگے گا۔ بہر حال ہر فن کا اس کے جاننے والوں کو امام بناؤ اور انہیں کی تقلید کرو۔ جب تقلید کرو گے تو تعجیل بھی نہ ہوگی کہ ہمیں پانچ دن ذکر کرتے ہوئے اب تک احوال طاری نہیں ہوئے۔ نہ کچھ کیفیات وارد ہوئیں اور دس دن گزر گئے ابھی تک ثمرات حاصل نہیں ہوئے کیونکہ وہ رہبر تعجیل سے روکے گا اور اس کی تقلید کرنا پڑے گی۔

مشقت کے بعد حصولِ نعمت کی قدر

ایک مرتبہ ہم پر بھی وسوسہ غالب ہوا کہ کیا بات ہے مقصود جلدی سے کیوں نہیں حاصل ہو جاتا خدا کو ہماری طلب کا علم بھی ہے ہم پر رحمت بھی ہے ہم کو مقصود تک پہنچا دینے کی قدرت بھی ہے باوجود ان دوائی کے پھر کیوں دیر لگتی ہے۔ اسی پریشانی میں مثنوی شریف جو کھول کر دیکھی تو سر صفحہ پر یہ شعر نکلے یہ بھی نہیں کہ دو چار ورق الٹنا پڑے ہوں۔

(۱) موسم بہار میں کیا ہوتے ہیں اور موسم خزاں میں کیا ہوتے ہیں۔

چارہ مے جوید پئے من درد تو مے شنودم دوش آہ سرد تو (۱)
 اس میں اس کے درد و طلب کو بھی مان لیا اور علم اور رحمت کو بھی مان لیا۔
 مے توانم ہم کہ بے ایں انتظار راہ نمایم دادہم راہ گذار
 اس میں یہ بھی مان لیا کہ مجھے قدرت بھی ہے کہ بے انتظار پہنچا دوں۔

تا ازیں طوفان دوراں دارہی بر سر گنج وصالم پانہی
 لیک شیرینی ولذات مقرر ہست بر اندازہ گنج سفر
 حاصل جواب کا یہ ہے کہ تجھ میں طلب بھی ہے ہم میں رحمت بھی ہے۔
 علم بھی ہے قدرت بھی ہے جس کے مجموعہ سے شبہ پیدا ہو لیکن اس سب کے ساتھ
 حکمت بھی ہے یہی جواب ہے۔

آنگہ از فرزند و خویشاں بر خوری کز غریبی رنج و محنتا بری
 ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میاں پانی تو نعمت ہے ہی پیاس بھی
 نعمت ہے کیونکہ اسی سے پانی کی لذت ہے اگر بے پیاس پانی پیو تو ناگوار ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت جب خالی رہ جائے گی تو حق تعالیٰ سے
 عرض کرے گی کہ آپ نے مجھے بھرنے کا وعدہ کیا تھا۔ حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے
 کے لئے اسی وقت ایک مخلوق پیدا کر کے اس سے جنت کو بھر دے گا۔ مولانا محمد
 یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس قوم کو جنت کا اتنا مزہ نہیں آئے گا جتنا ہمیں آئے
 گا۔ کیونکہ انہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی اور ہم دنیا کی مصیبتیں جھیل چکیں گے۔
 اس لئے ہمیں اس راحت کی پوری پوری قدر ہوگی۔ سچ ہے ”لذت انگور میوہ داند نہ

(۱) ”تیرا درد میرے وصال کی چارہ جوئی کر رہا تھا اور کل گذشتہ رات میں تیری آہ سرد کو بھی سنتا تھا“

خداوند میوہ“ (انگور کی لذت میوہ جانتا ہے نہ مالک میوہ) مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ کو دہلی کے ایک شہزادہ نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلایا۔ اس کے بعد مولانا سے داد چاہی۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کے کھانے سے کیونکر اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسا ہے ممکن ہے کہ اپنی نوع کے لحاظ سے اچھا ہو ممکن ہے کہ بُرا ہو۔ کئی بار پکا کر کھلاؤ تو اندازہ ہو سکتا ہے۔ واقعی ”وبضدھا تبیین الاشیاء“ (چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) اسی طرح سالک جب کسی مقام پر مشقت کے بعد پہنچتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور آنکھیں کھلتی ہیں اور بزبان حال یہ کہتا ہے۔

دوش از وقت سحر از غصہ نجاتم دادند و اندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند (۱)
اور پھر اس وقت پیر کی بھی قدر ہوگی اور کہے گا۔

کیسائیست عجیب بندگی پیر مغال خاک او گشتم و چندیں در جاتم دادند (۲)
اور یہ درجات تو شروع ہی میں مل جاتے ہیں مگر اطلاع نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ ذکر و شغل کے بعد تعجیل نفع کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر ایک مرتبہ کے وعظ سے نفع نہ محسوس ہو تو اسے بیکار نہ سمجھنا چاہیے۔ مگر میں ان شاء اللہ ایک نئی بات بیان کروں گا۔ بیان کئے ہوئے مضمون کو مکرر نہیں بیان کروں گا۔ اور نئی باعتبار اپنی ہیئت ترکیبیہ کے ہوگی ورنہ فی نفسہ تمام مضامین پرانے ہیں اس اعتبار سے کہ کتاب و سنت ہی سے مستنبط ہوتے ہیں لیکن تاہم اپنی ہیئت ترکیبیہ کے اعتبار سے نیا ہوگا۔ پس اس مضمون کے فرسودہ ہونے کا شبہ بھی جاتا رہا۔

قوتِ علم و عمل

اور واقع میں تو وہ فرسودہ کسی حالت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جس قدر اس کی

(۱) ”کل رات صبح کے وقت غصہ و غم سے مجھے نجات دی شب کی ظلمت میں مچھو آبِ حیات بخشی“ (۲) ”پیر

کمال کی اطاعت عجیب کیسائیست ہے اس کے قدموں میں رہا اتنے درجات پائے۔“

کہنگی بڑھتی جاتی ہے بجائے فرسودگی وضعف کے اس میں جدت وحدت بھی بڑھتی جاتی ہے جس کی ایسی مثال ہے ۔

خود قوی تر مے شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشند من لدن (۱)

شراب جوں جوں پرانی ہوتی جاتی ہے تیزی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح اس خمر لدنی کا پینے والا بھی کماتیل ۔

ہر چند پیر وخستہ و بس ناتواں شدم ہر گاہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم (۲)

یہاں پرانا ہونے سے فتور و ملال کچھ نہیں آتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ باوجود ضعف کے جب حقائق و معارف بیان فرماتے اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور جب بیان فرما چکے تو ضعف سے آہ آہ کرتے تھے۔ آخر یہ کیا چیز تھی جو تھوڑی دیر کے لئے قوت پیدا کر دیتی تھی وہ بھی فرسودہ مضامین تھے۔ اسی طرح علوم میں تو ہماری بھی یہی حالت ہو جاتی ہے مگر اعمال میں نہیں ہوتی۔ وہاں اعمال میں بھی یہ حالت تھی کہ تراویح میں ایک شب کے اندر پورا پورا قرآن کھڑے کھڑے سنا ہے کچھ عجیب بات نہ تھی، یوں تو یہ حالت تھی کہ بات کرنا بھی ضعف کی وجہ سے دشوار تھا مگر ادھر نیت باندھی اور اللہ اکبر کہا نہ معلوم پھر وہ ضعف کہاں چلا جاتا تھا۔ حضرت اکیلے اخیر تک کھڑے رہتے تھے اور حافظ برابر بدلتے رہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اعمال میں تازگی اور شگفتگی ہوتی تھی اور ہمیں اعمال میں تو لطف آتا نہیں مگر علمی باتوں میں مزہ ہوتا ہے اس لئے اس میں ہم کو بھی قوت آ جاتی ہے۔ بہر حال خدائی شراب گھستی نہیں فرسودہ نہیں ہوتی اور تعجب ہے کہ پرانا روپیہ تو کالا

(۱) ”پرانی شراب میں خود تیزی بڑھتی جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوئی ہے“

(۲) ”ہر چند بوڑھا اور بہت ناتواں ہو گیا ہوں جس وقت تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں“۔

ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں چھوڑتے ہو اللہ کے مضامین پرانے ہونے کی وجہ سے چھوڑتے ہو کیا یہ اس پرانے روپیہ کے برابر بھی نہیں؟

علوم و جدیہ

خیر یہاں ظاہراً بھی یہ شبہ نہ کرو میں ایک نیا ہی مضمون بیان کروں گا جو اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

اس تشبیہ میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ سہل ہو جاوے کیونکہ ایک تو مسابقت میں رغبت ہوتی ہے اور ایک مرتبہ جوش ہوتا ہے کہ ہم بھی کریں۔ دوسرے یہ کہ جب ہماری شان: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ ”تم بہتر امت ہو“ ہے تو غیرت بھی ہوتی ہے کہ ہم باوجود افضل ہونے کے حق تعالیٰ کا وہ کام نہ کریں جو ہم سے مفضل (گھٹیا لوگ) کر گئے، تو گویا پہلی قوم میں ایک ایسی چیز لے گئیں جو تمہیں اب تک نہیں دی گئی۔ انہیں ہم نے ایک بائیسکل دی تھی جس سے وہ بہت جلد اپنا راستہ قطع کر سکتے تھے۔ تمہیں بھی دیدی تاکہ تم ان سے پیچھے نہ رہ جاؤ اسی لئے فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ﴾ ”تم پر فرض کیا گیا“ یہ خدا کی بڑی رحمت ہے کہ فرض کر دیا جس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق باپ اپنے بیٹے کو زبردستی مسہل پلائے^(۱) واقعی بڑی رحمت ہے کہ فرض کر دیا کیونکہ جانتے تھے کہ بغیر اس کے نہیں کریں گے، میرے والد صاحب نے بچپن میں مجھے مسہل پلانا چاہا میں نے انکار کیا مجھ سے کہا کہ پی لو تو ایک روپیہ دیں گے میں جانتا تھا کہ اب اگر انکار کروں گا دھمکی دے کر

(۱) دست آور دو پلائے تاکہ اس کا پیٹ صاف ہو جائے اور فاسد مادہ خارج ہو جائے۔

پلائیں گے پھر روپیہ بھی جائے گا اور پینا پڑے گا اس لئے پی لیا۔
 حق تعالیٰ نے بھی ہماری ہی ضرورت اور ہماری ہی مصلحت کے لئے
 مسہل تجویز فرمایا۔ اور اس کے پی لینے پر انعام کا وعدہ فرمایا اور نہ پینے پر دھمکی بھی
 دی۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس عنایت و شفقت کا، واللہ وجد کے قابل ہے۔ لوگ
 ستار کی ٹن ٹن اور سارنگی کی رُوں رُوں پر کودتے ناچتے ہیں افسوس! انہیں حس نہیں
 وجد کی چیزیں یہ علوم ہیں۔

گرمی اور رمضان

بہر حال خدا نے ہم پر روزہ اس لئے فرض کیا تاکہ ہم اسے رکھیں اور
 لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں کہ اب کے بڑی شدت کی گرمی ہے روزہ کیسے
 رکھا جائے گا نہایت تپش و جس ہے دن کیسے کٹے گا۔ خدا سے کیسی بدگمانی ہے، کیا
 خدا نے تمہیں ایسی بات کا حکم دیا ہے جو تم سے نہ ہو سکے گا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا
 إِلَّا وُسْعَهَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت و اختیار
 میں ہو، وہاں تو یہ رحمت ہے کہ اگر بارش وابر نہ ہوگا تو صبر ہوگا۔ بہر حال تمہیں
 اس کی کیا فکر۔ جب وہ اپنا کام لینا چاہیں گے تو اس کے لئے ویسے ہی سامان بھی
 پیدا کر دیں گے۔ گو تمہاری بدگمانی کا مقتضا تو یہی تھا کہ خوب تپش ہوتی اور شدت
 سے گرمی پڑتی کیونکہ حدیث قدسی میں ہے ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي)) ”میں
 اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں“ خدا کے ساتھ جیسا گمان کر لو خدا ویسا ہی
 کر دیتا ہے۔ مگر کیا رحمت ہے سبحان اللہ کہ رمضان شروع ہوتے ہی نہ گرمی رہی نہ
 وہ پیاس رہی نہ وہ جس رہا نہ وہ تپش رہی۔ اور ایک دن پیشتر ہی اس قدر گرمی تھی کہ
 بغیر سچکھے کے قرار نہ تھا اور بغیر بار بار پانی پئے چین نہ تھا ابھی پانی پی کے بیٹھے اور

ابھی پھر پیاس موجود سبحان اللہ رمضان کی بھی بڑی عجیب برکت ہے کہ شروع ہوتے ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ کونین کی سی مثال ہوگئی ہے کہ ہے تو نہایت کڑوی مگر اس کی گولی پر شکر لپیٹ لی گئی ہے کہ کونین معلوم نہ ہو اور اس کا نفع حاصل ہو جائے۔ اگر کڑوی رکھی جاتی تب بھی کھانا پڑتی مگر یہ نہ سمجھ لینا کہ جب تیز ہوائیں چلیں گی تو روزہ رکھیں گے۔ نہیں تو نہیں رکھیں گے۔ یہ تو تمہیں راہ پر لگادیا اب برابر رکھتے رہو اگر ہوا نہ بھی چلے تب بھی رحمت ہے تاکہ ضراء (سختی) میں سراء (راحت) کی قدر ہو اور صبر بھی ہو۔

اس کو یوں سمجھو کہ بعضے کھانے سرد اچھے ہوتے ہیں مثلاً فیرنی وغیرہ اور بعضے کھانے گرم اچھے ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ تورمہ وغیرہ۔ بہر حال جو کچھ عطا کریں سب رحمت ہے۔ خواہ وہ سردی ہو یا گرمی۔

تراویح اور پنکھا

مجھ سے سوال کیا گیا کہ تراویح کے اندر گرمی بہت لگتی ہے پنکھا باندھنا جائز ہے یا نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ابتداء عمر میں اسے ناجائز لکھا تھا۔ مگر اب لوگوں کی حالت پر نظر کر کے لکھ دیتا ہوں کہ جائز ہے۔ مگر خلاف ادب ہے کیونکہ اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ صاحب کلکٹر کے اجلاس پر کھڑے ہو کر اپنی عرضی سنار ہے ہیں اور پیچھے سے نوکر کھڑا پنکھا جھل رہا ہے۔^(۱) اگر سررشتہ دار منع کرے اور یہ پوچھے کہ کیوں صاحب آپ منع کیوں کرتے ہیں کیا خلاف قانون ہے۔ وہ یہی کہے گا کہ خلاف قانون تو نہیں ہے مگر خلاف ادب ہے۔ اسی طرح نماز کو بھی حق تعالیٰ کے دربار کی حاضری خاص تجویز کیا گیا ہے اور حاضری کا حق یہ ہے کہ ۔

(۱) اس زمانے میں بجلی کے پکے نہیں ہوتے تھے بلکہ کپڑے وغیرہ کے پکے چھت میں لٹکائے جاتے تھے اور ایک آدمی کھڑا ہو کر ان کو جھلتا رہتا تھا۔

حضورِ گرہی خواہی ازد غافل مشو حافظ

متی ما تعلق من تھوی د ع الدنيا وامهلها (۱)

تو جب محبوب کے سامنے کھڑے ہو گئے تو پنکھا کیسا وہاں تو اپنا بھی ہوش نہ رہنا چاہیے اور اگر اس طرح سمجھ میں نہ آوے تو یوں سمجھو کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ گزرے جن میں امراء بھی تھے رؤسا بھی تھے۔ نواب بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ مگر ان کی بنوائی ہوئی مساجد میں کہیں پنکھے کا نشان نہیں۔ شاہجہاں نے اتنی بڑی دہلی کی مسجد تعمیر کرائی اور خود بھی نماز کو آتے تھے مگر کبھی پنکھا نہیں لگوا یا۔ عالمگیر نے ہزاروں مسجدیں بنوائیں اور خود بھی جماعت کے پابند تھے مگر کسی مسجد میں کبھی پنکھے کا انتظام نہیں کیا ورنہ اُن کی مساجد میں ضرور پنکھے کے نشانات پائے جاتے۔ پھر پنکھے لگانا اعلیٰ درجہ کی صورت تکبر کی ہے کہ جہاں بادشاہ متواضع ہوئے یہ وہاں بھی نہیں ہوتے۔ یہ مسجد سنا ہے کہ عہد عالمگیر کی ہے اس میں پنکھے تو پنکھے کہیں ہوا آنے کے لئے جھرو کے تک نہیں۔ اب تو میں خود کہہ رہا ہوں کہ بھی مسجد بناؤ تو اس میں جھرو کے اور کھڑکیاں رکھنا تا کہ نمازیوں کو راحت رہے اور مسجد میں آنے سے نفس حیلے بہانے نہ کرے۔ جیسا کانپور میں ایک بھولے بھالے شخص بیچارے بھوپال سے آئے تھے کہنے لگے اب کے جمعہ کی نماز ہم پڑھائیں گے۔ اور وہ خطبہ پڑھیں گے جو اول قدم مدینہ میں جناب رسول اللہ ﷺ نے پڑھا تھا، چنانچہ جمعہ آیا نماز پڑھانے کھڑے ہوئے اول تو وہ خطبہ ہی ایسے طویل لہجہ سے پڑھا کہ لوگ اس میں اکتا گئے تھے۔ اس پر غضب یہ کہ پہلی رکعت میں سورہ ق شروع کر دی

(۱) ”اگر محبوب حقیقی کے دربار کی حضوری اور قرب چاہتے ہو تو اس سے غافل مت ہو بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو اور جب اپنے محبوب سے ملاقات کرو یعنی عبادت میں اس کی مشغول ہو تو دنیا و مافیہا کی طرف التفات مت کرو۔“

گرمی بہت تھی ایک شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک شخص کو قے آنے لگی اور ایک شخص جس کو زبردستی کر کے کچھ لوگ اتفاق سے اسی روز مسجد میں نماز پڑھنے لائے تھے نیت توڑی اور یہ کہتا ہوا کہ ہم اسی لئے تو نماز نہیں پڑھتے یہ جا اور وہ جا اور شہر بھر میں ہلچل مچ گئی کہ اگر وہی نماز پڑھائیں گے تو ہم کہیں اور نماز پڑھ لیں گے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جھروکے رکھو تاکہ ہوا آتی رہے مگر اس ہوا میں اور اس پچھے میں فرق ہے کیونکہ یہ قدرتی پنکھا ہے جو عبدیت کے منافی نہیں ہے۔ بخلاف اس کے کہ اس میں مخدومیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ کوئی خادم جھلتا ہے البتہ بجلی کے پچھے میں مجھے اب تک تردد ہے اور غالباً وہ بھی خلاف ادب معلوم ہوتا ہے کہ شروع حرکت تو انسان کے فعل سے ہوتی ہے اور اگر بہت ہی جی چاہتا ہے تو خیر بجلی کا پنکھا لگاؤ البتہ ہے بڑی خطرناک چیز۔ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کتنوں ہی کو زخمی کر دیتا ہے۔ اچھا ہوا کہ یہاں نہیں ہے میں تو بمبئی کلکتہ بھی گیا تو پچھے کے محاذ (مقابل) سے بچ کر مسجد میں کھڑا ہوتا تھا کہ اگر امام کے محاذ (مقابلہ) میں کھڑے ہونے کا ثواب نہ ملے گا تو اس کے ٹوٹنے کے عذاب سے تو بچا رہوں گا۔ اجی سیدھی بات تو یہی ہے کہ بلا اہتمام پچھے کے نیت باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔

محبت الہی کا مقتضاء

واقعی جسے ذرا بھی حق تعالیٰ کی محبت کا چسکا ہوا سے سردی گرمی کی کیا پرواہ۔

از محبت تلخیا شیریں شود (۱)

اور اہل محبت کی یہ حالت ہوتی ہے۔

خوشا وقت شوریدگان غمش اگر ریش بینند و گو مرہمش (۲)

(۱) ”محبت سے تلخیاں بھی گوارا ہو جاتی ہیں“ (۲) ”اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر زخمی دیکھتے ہیں اور اس پر مرہم رکھتے ہیں“۔

گدایا نے از بادشاہی نفور بامیش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم در کشند وگر تلخ بینند دم در کشند (۱)

بس نماز میں تھوڑی مشقت اٹھالی ادھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور پنکھالے
لیا۔ غرض خدا کا دونوں طرح مشاہدہ کر لیا۔ شانِ جلالی میں بھی شانِ جمالی میں بھی۔

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم گرنیست غمچے نہ دہلذتے حضور (۲)

حضرت اولیاء اللہ کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ اگر انہیں تکلیف ہوتی ہے تو وہ
اس میں بھی شکر کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط ہیں تازہ باش وچیں میفکن برجیں (۳)
وہ قبض سے نہیں گھبراتے کیونکہ قبض عین بسط ہے۔

اللہ کا لطف و کرم

غرض یہ سب خدا کی رحمت ہے۔ اگر کوئی طبیب کہہ دے کہ آج پانی نہ
پینا ورنہ استسقاء ہو جائے گا (۴) اس نے تو ایک ہی دن کو کہا تھا مگر یہ احتیاط کے

مارے دو دن چھوڑ دیں گے۔ افسوس طبیب کے کہے کی یہ وقعت اور خدا کے ارشاد
کی یہ قدر۔ خدا نے علاج میں جو سہولت برتی ہے ایسا تو کوئی طبیب کر بھی نہیں

سکتا۔ طبیب اگر کسی چیز سے پرہیز کراتا ہے تو یہ نہیں کر سکتا کہ عین ضرورت کے
وقت پرہیز کرائے۔ اور ضرورت سے پہلے نہ کرائے بلکہ وہ حفظِ ماتقدم کے لئے چھ مہینے

(۱) ”ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اس کی امید پر فقری میں قناعت کرنے والے۔ ہر دم رنج

کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں“ (۲) ”محبوب سے

جدائی کی شکایت نہیں اگر جدائی نہ ہوتی تو وصل میں لطف و لذت نہ ہوتی“ (۳) ”جب قبض پیش آئے اس میں

بسط کا ملاحظہ کرو خوش و خرم رہو پیشانی پر بل نہ ڈالو“ (۴) پیاس کا مرض۔

پہلے سے پرہیز شروع کر دیتے ہیں اور پھر بعد تک جاری رکھتے ہیں یہاں یہ ہے کہ جب عین ضرر کا وقت ہو اسی وقت حکم دے دیا پرہیز کا۔

پھر اس سے بڑھ کر لطف یہ کہ زمانہ پرہیز میں بد پرہیزی کی اجازت دے دی یعنی رمضان کی راتوں میں ان ہی مفطرات کی اجازت دے دی کہ ﴿اتِمُوا الصِّيَامَ إِلَى الْآيِلِ﴾^(۱) اور اس چیز کی خاصیت ہی بدل دی صرف اتنی دیر کے لئے اب وہ مضر نہیں ہو سکتی۔ حکمائے یونان کے باپ سے بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ مریض کی مصلحت کی رعایت کر کے اس چیز کی خاصیت بدل دیں پھر جب تک اس کی خاصیت بدلی رہی اس وقت تو اس کے استعمال کی اجازت دے دی اور جب اس میں باذن حق اصلی خاصیت عود کر آئی یعنی دن قریب ہوا تو پھر روک دیا اور صَوْمُوا (روزہ رکھو) فرما دیا کہ اب نہ کھاؤ نہ پیو۔

ادراک اوامر

شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ قرآن مجید نازل ہوئے سینکڑوں برس ہو گئے جو کچھ حکم ہونا تھا ایک بار ہو چکا روز روز صَوْمُوا (تم روزہ رکھو) کہا جاتا ہے فقہاء حقیقت میں بڑے عارف تھے وہ اس کی حقیقت کو خوب سمجھے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوم کا سبب وجوب شہود شہر (مہینہ کا حاضر ہونا) ہے لہذا جب شہود شہر ہوگا تو تقدیراً ہمیں امر ہوگا کہ صوم جس طرح جب ظہر کا وقت ہوگا تو ہمیں تقدیراً امر ہوگا کہ صَلُّوا (تم نماز پڑھو) کیونکہ وقت ظہر وجوب ہے ہاں حج کا سبب بیت اللہ ہے اور وہ چونکہ مکرر نہیں اس لئے حج بھی مکرر نہیں اور یہاں چونکہ یہ اسباب مکرر ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان کے مسببات بھی مکرر ہوں گے۔ مگر تمہیں

(۱) ”تم رات تک روزہ کو پورا کیا کرو۔“

ادراک نہیں ہوتا۔ اُن کے جیسے کان پیدا کرو تو تمہیں بھی ہر ظہر کے وقت صَلُّوا (نماز پڑھو) اور رمضان کے ہر دن میں صُومُوا (روزہ رکھو) سنائی دینے لگے۔ اسی کو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پنبہ اندر گوش حسِ دوں کدید تا خطابِ ارجعی را بشنوید (۱)
اور عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الست از ازل ہچنہاں شانِ بگوش بفریادِ قالوا بللی در خروش (۲)
کہ جو ((اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ)) ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں“ ازل میں کہا گیا تھا وہ منقطع نہیں ہوا اسی طرح وہ صَلُّوا وَصُومُوا (نماز پڑھو اور روزہ رکھو) منقطع نہیں ہوا آج بھی موجود ہے اور برابر رہے گا۔ اہل ادراک ہی اس کو ادراک کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا وہ شبہ جاتا رہا کہ کہاں برابر حکم پر ہیز کا ہوتا ہے۔

محکمہ نفع و ضرر

الغرض حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ کس قدر شفقت ہے کہ پرہیز کرایا مگر تھوڑی دیر کہ ﴿اَتَمُّوا الصَّیَامَ اِلٰی الْاَیْلِ﴾ (۳)

اس سہولت پر طبیعت اس لئے قادر نہیں کہ وہ مظہر نفع و ضرر ہے اور حق تعالیٰ محدث ہیں نفع و ضرر کا (۴) جب تک چاہا ایک شے کو نافع رکھا اور جب چاہا اسے ضار بنادیا حق تعالیٰ کو کس قدر تمہاری رعایت منظور ہے کہ ایک محکمہ نفع و ضرر کا قائم کیا کہ ایک ہی شے رات بھر نافع رہتی ہے اور صبح کو ضار ہو جاتی ہے (۵) دن بھر مضر رہتی ہے

(۱) ”ان ظاہری کانوں میں جو ادنیٰ درجہ کے حواس سے ہیں روئی رکھ کر گوشِ باطن کو درست کرو جب اس قابل ہو گے کہ ارجعی کا خطاب سنو“ (۲) ”اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ندا ان عاشقانِ صادق کے کانوں میں ہنوز ویسی ہی ہے قَالُوا بَلٰی کی فریاد سے شور کر رہے ہیں“ (۳) ”تم رات تک روزہ کو پورا کیا کرو“ (۴) اللہ تعالیٰ نفع نقصان کا پیدا کرنے والا ہے (۵) رات بھر فائدہ مند رہتی ہے اور صبح کو نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

رات سے پھر مفید ہو جاتی ہے ایک یہ رحمت دوسری یہ شفقت کہ جب مضر ہوا تو اس سے چٹنا فرض کر دیا اور یہی نکتہ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ﴾ میں آگے فرماتے ہیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ روزہ تم پر فرض کیوں ہوا اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ۔

مقصود روزہ

اس ترجمہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا ہوگا کہ ((لَعَلَّ)) تو ترّد و توجہ کے لئے ہے جب باری تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم ہے تو ترّد کا کلمہ کیوں استعمال کیا۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ فرض ہوا ہے تمہاری اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے۔ یہاں بھی امید و بیم میں رکھا کہ تمہیں روزہ رکھ کر متقی بن جانے کی امید رکھنا چاہیے یقین نہ رکھنا چاہیے یہ بھی خدا کا لطف ہے کیونکہ اگر یہ فرمادیتے کہ تم متقی ہونے کا یقین رکھو تو روزہ رکھنے کے بعد تو متقی ہونے کا ناز ہی ہو جاتا جو بالکل خدا سے بعید کر دیتا (۱) کیونکہ ناز و نیاز جمع نہیں ہوتے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (۲) یہاں بھی ﴿مِنْهُمْ﴾ فرمایا اگر ﴿مِنْهُمْ﴾ نہ فرماتے تو اس لفظ سے جو نیاز اب پیدا ہوتا ہے وہ پیدا نہ ہوتا۔ ایک ذرا سا لفظ بڑھایا اور سارے جہاں کو ہلا دیا۔

غلبہ نیاز

اسی واسطے بزرگوں کو ناز پسند نہیں نیاز پسند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس قدر نیاز کا غلبہ تھا کہ باوجودیکہ ((عمر فی الجنة)) (۳) ”عمر جنت میں ہے“ (۱) دور (۲) ”وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان سے مغفرت اور ثواب عظیم کا“ سورہ فتح: ۲۹ (۳) مسند احمد: ۱/۱۸۷۔

فرمادیا گیا مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جو صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور تھے (۱) پوچھتے ہیں کہ سچ بتاؤ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منافقین میں تو نہیں بتایا۔ سچ ہے۔

باسایہ ترا نمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی (۲)

جو مرتا تھا تو اس کے جنازے پر جب شریک ہوتے جب یہ دیکھ لیتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں بات یہ ہے کہ محبوب کون ہے۔ اس کی شان یہ ہے ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (۳) تو مِنْهُمْ اس واسطے بڑھایا کہ صحابہ کو یہ کیفیت بھی میسر ہو کیونکہ ناز والوں کو قرب نہیں ہوتا۔ قرب اہل نیاز کو ہوتا ہے اسی واسطے تمام انبیاء اہل نیاز ہوئے۔ البتہ ناقصین ناز بھی کرنے لگتے ہیں۔

مجدوبوں کی مثال

سہارنپور میں ایک دفعہ شدت کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک مجذوب کہنے لگے ”بس کر بس کر کیا مار ڈالے گا“ یہ کہتے ہی بس فوراً بارش رک گئی۔ وہ صاحب حال تھا غیر صاحب حال کو ایسا نہ چاہیے۔

ناز روائے نباید نہجو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد (۴)

سویہ وہ کلمہ تھا جسے انبیاء بھی نہیں کہہ سکتے مگر دونوں کے مرتبہ میں بہت فرق ہے مجذوبوں کی تو ایک نا سمجھ چھوٹے بچے کی سی مثال ہے اگر وہ باپ کی

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز داں (۲) ”عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں اس لئے محبوب کے سایہ کے ساتھ رہنا بھی عشاق پسند نہیں کرتے“ (۳) ”جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے“ سورہ انبیاء: ۴۳ (۴) ”ناز کرنے کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوئی کے پاس بھی نہ جاؤ۔“

داڑھی بھی نوچے تو نہ باپ کو ناگوار ہوتا ہے نہ عرفا بے ادبی سمجھی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سمجھدار بڑے بیٹے کی سی مثال ہے کہ اس کی مجال نہیں کہ باپ کی داڑھی میں ہاتھ ڈال سکے۔ مگر جو قرب اسے اپنے باپ سے ہے وہ اس چھوٹے بیٹے کو ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ جوان لڑکا باپ کا مشیر ہے۔ اسی طرح مجذوب کو ہرگز وہ قرب نہیں جو سالک کو ہے۔

غرض تمام انبیاء علیہم السلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو باوجود بشارتوں کے پھر بھی چین نہیں اور یہی نکتہ ہے ﴿مِنْهُمْ﴾ کے بڑھانے میں کہ نیاز کی صورت دیکھنا چاہتے ہیں اور ناز کو پسند نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں

اسی طرح یہاں بھی ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ فرمایا تاکہ کوئی خدا کو مقروض نہ سمجھنے لگے۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ ((لا یجب علی اللہ شی)) (اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں) مگر معتزلہ پھسل گئے اور اس کے قائل ہوئے کہ حق تعالیٰ پر واجب ہے کہ طاعت پر ثواب دے اور معصیت پر عذاب۔ ہمارے نزدیک خدا پر کچھ بھی واجب نہیں اور جہاں کہیں نصوص میں حق علی اللہ (اللہ تعالیٰ پر حق ہے) آیا ہے اس کے معنی مشابہ حق کے ہیں یعنی حق تعالیٰ اس طور پر اسے پورا فرمادیں گے جیسے کوئی واجب کو ادا کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا کہ اگر خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیں تب بھی وہ غیر ظالم ہوں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ظلم ملک غیر میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں اور یہ سب انہیں کی ملک ہیں وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں غرض وہ جو بھی کریں حسن ہے۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است در بما نسبت کنی کفر آفت است (۱)

(۱) ”کفر خالق کے اعتبار سے حکمت ہے اور اگر ہماری طرف نسبت کرو تو کفر آفت ہے۔“

یعنی کفر بھی انہیں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کیونکہ کفر کا پیدا کرنا تو حسن ہی ہے ہاں صدور اس کا قبیح ہے۔ کیونکہ کفر کے پیدا کرنے میں حکمتیں ہیں اور کفر کے صدور میں کوئی حکمت نہیں۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد^(۱)
اگر کفر نہ ہو تو تو عالم ناقص رہ جاتا۔ جس طرح کوئی اعلیٰ درجہ کی کٹھی ہو مگر اس میں پاخانہ کی جگہ نہ ہو تو وہ ناقص ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب دوسرے کے افعال پیدا کرنے میں حکمتیں ہیں تو خود اپنے افعال میں تو بدرجہ اولیٰ اور بے شمار حکمتیں ہوں گی۔ بہر حال یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ حق تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں۔ لَعَلَّ بڑھایا ہے تو اب معنی یہ ہو گئے کہ تم امیدوار تقویٰ کے رہو۔ یہ تو تمہید تھی بلا قصد طویل ہو گئی خیر اس میں بھی بہت سے ضروری اور مفید مضامین آ گئے۔

احکام اسرار

اب میں اس مضمون کو شروع کرتا ہوں جو مقصود البیان ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اس کا مفعول محذوف ہے یا تو النار (آگ) اس کا مفعول ہو گا یا المعاصی (گناہ) مگر دونوں کا حاصل ایک ہے کیونکہ نار سے بچنے کے لئے اولاً معاصی سے بچنا ضروری ہے۔ اسی طرح معاصی سے بچ کر نار سے بچ سکتے ہیں لیکن یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ہوا۔ اطباء جانتے ہیں کہ اشیاء کی تاثیر دو طرح پر ہوتی ہے کوئی شے موثر بالکیفیت ہوتی ہے اور کوئی شے موثر بالخاصیت بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام اشیاء موثر بالخاصیت ہی ہیں کیونکہ اگر موثر بالکیفیت ہوتیں تو ایک ہی درجہ کی تمام اشیاء ایک ہی اثر کرتیں یعنی جو اشیاء پہلے

(۱) ”عشق کے کارخانہ میں کفر کا ہونا ضروری ہے۔ دوزخ میں کون جلتا اگر بولہب نہ ہوتا۔“

درجہ میں گرم ہیں ان سب کا ایک ہی اثر ہونا چاہیئے تھا اور جو دوسرے درجہ میں سرد ہیں ان سب کا ایک ہی اثر ہونا چاہیئے اور جو اشیاء تیسرے درجہ میں خشک ہیں ان کا ایک اثر ہوتا اور جو چوتھے درجہ میں تر ہیں ان کا ایک اثر ہوتا ہے۔ جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک ہی درجہ کی اشیاء اثر میں مختلف ہو جاتی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی تاثیر بالخاصیت ہے اور یہ کوئی طب کے خلاف نہیں بلکہ یہ مسئلہ تو فلسفہ کا ہے اس میں کوئی امر خلاف لازم نہیں آتا سو ہم سے یہ سوال کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل۔ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم یہ کہیں کہ روزہ موثر بالکفایت ہے اور اگر ہم موثر بالخاصیت کہیں تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جس قدر عبادات کے آثار بیان کئے گئے ہیں سب ان عبادات کے آثار بالخاصہ ہیں۔ مجھے ان لوگوں کے حال پر زیادہ افسوس ہے جو موافقین سنت ہیں اور پھر سلامت روی کو چھوڑ کر کج روی اختیار کرتے ہیں کہ ہر چیز کے حکم و اسرار اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت خطرناک ہے اس میں آدمی بہت گمراہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تم نے جماعت کی یہ حکمتیں بیان کی کہ اس میں مسلمان اتفاق سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ فرض کرو کہ محبت و اتفاق آپس میں پیدا نہ ہو یا بدون جماعت کے کسی دوسری تدبیر سے پیدا ہو جاوے تو کیا جماعت کو چھوڑ دیں گے اس شخص سے البتہ اندیشہ ہے جس نے جماعت کو اس حکمت پر مبنی کیا ہے کہ یہ چھوڑ بیٹھے گا۔

خلاصہ یہ کہ تمام احکام کا مبنی حکمت تو ضرور ہے لیکن تمہاری سوچی ہوئی حکمتوں پر مبنی نہیں کیونکہ یہ سب ظنی ہیں۔ اگر کسی شخص کی سمجھ میں حکمتیں آنے لگیں تو مبارک ہے۔ مگر ان حکمتوں پر احکام کو مبنی کرنا خطرناک ہے اور ان کو ظنی و تخمینی سمجھنا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں تو تمام احکام کا مبنی یہ سمجھنا چاہیئے کہ قال

اللہ تعالیٰ (یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر حکمت سمجھ میں نہ آئے گی تو یہ تو سمجھے گا کہ ۔

زندہ کنی عطائے تو، و ربکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو، ہرچہ کنی رضائے تو (۱)

خدا کے احکام تو ہمیں ہر صورت میں ماننا چاہئیں خواہ حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ادنیٰ سی کسی عورت پر اگر کوئی عاشق ہو جائے اور وہ کہے کہ دس دفعہ ننگے ہو کر ناچو تو یہ بیس دفعہ ناچنے پر تیار ہو جائے گا اور اس کے دل میں وسوسہ بھی نہ گزرے گا کہ اس خط کی لم (علت) دریافت کرے۔ تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ایک بازاری عورت کی تو اس قدر محبت اور خدا کی ذرا بھی محبت نہیں۔ خدا کے ساتھ تو یہ برتاؤ ہونا چاہیے ۔

زبان تازہ کردن باقرار تو غینگشتن علت از کار تو (۲)
اور اگر علین نکالو گے تو کہاں تک نکالو گے۔ خلاصہ یہ کہ اصل وجہ فرضیت صوم کی یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے۔

تاثیر روزہ

اس کے بعد ہمیں کسی علت کے دریافت کرنے کا حق نہیں رہا مگر تبرعاً آگے خود ہی فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”اب اگر کوئی کہے صوم پر تقویٰ کیونکر مرتب ہوا تو ہم کہہ دیں گے کہ نار سے بچانا تو بواسطہ تقویٰ عن المعاصی کے ہے مگر معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ہے۔

(۱) ”زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر فدا ہوں۔ دل آپ پر مبتلا ہے جو کچھ کریں میں آپ سے راضی ہوں“ (۲) ”آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علین نکالنے کو مانع ہے۔“

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ روزہ کی خاصیت ہے۔ چنانچہ تجربہ کر لو اور مشاہدہ کر لو جو لوگ رمضان سے پہلے کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوں مگر رمضان میں ضرور کمی کر دیتے ہیں۔ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ تلاوت بھی کرنے لگتے ہیں تو جتنی دیر ان عبادات میں لگے رہتے ہیں معاصی سے بچے رہتے ہیں۔ ایک جواب تو اس سوال کا یہ ہوا کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل۔

دوسرا جواب ایک اور ہے جس کی ایک تو مشہور تقریر ہے اور ایک حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے قلب پر وارد کی ہے مشہور تقریر تو یہ ہے کہ جسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب نے لکھا ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ گھٹ جاتی ہے (۱) کیونکہ لذات و شہوات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور یہی چیزیں گناہ کا باعث تھیں۔ میرے قلب پر جو تقریر وارد ہوئی ہے وہ بالکل بے غبار ہے اور اس پر ایک غبار ہے وہ یہ ہے کہ شہوات اور لذات میں کیا کمی ہوئی، ہم پوچھتے ہیں کہ رات کو پیٹ بھر کھانا پیوی سے مشغول ہونا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو قوت بہیمیہ کچھ بھی نہیں گھٹی کیونکہ رات کو بہت سے لوگ اس قدر کھاتے ہیں کہ ایک دن کیا ڈیڑھ دن کی فرصت ہو جائے۔ اس تقریر پر تو روزہ کا نفع جب ہوتا ہے کہ دن کی طرح رات کو بھی منہ بند ہوتا اور اگر ناجائز کہو تو نص کے خلاف لازم آتا ہے (۲)۔

سو اس پر یہ غبار ہے جس کے لئے بڑے بڑے لوگوں کو ایک نئی اور بے دلیل بات کا قائل ہونا پڑا اور وہ یہ کہ رات کو بھی کم کھاوے۔ کیونکہ اگر کمی نہ کی تو غایت صوم حاصل نہ ہوگی (۳)۔ بظاہر یہ توجیہ رنگین اور اقرب ہے مگر حقیقت میں البعد ہے (۴) کیونکہ سوال یہ ہے کہ کہیں روزہ میں تقلیل طعام (۵) کی ترغیب دی

(۱) حیوانی قوتیں شہوت وغیرہ (۲) قرآن و حدیث کے خلاف ہے (۳) روزہ کا مقصد (۴) بظاہر یہ توجیہ خوبصورت اور قریب ترین معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں بہت دور ہے (۵) کم کھانے کا حکم ہے۔

گئی ہے یا نہیں۔ اگر دی گئی ہے تو کہاں ہے۔ ہم نے تو باوجودیکہ بہت تلاش کیا کہیں نہ پایا بلکہ پایا تو اس کے خلاف: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ﴾^(۱) اور جن احادیث میں تقلیل طعام کی فضیلت آئی ہے وہ عام ہے اور روزہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہو سکتی سوال تو یہ ہے کہ روزہ کے اندر تقلیل طعام کی خصوصیت کے ساتھ کیا دلیل ہے۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ نص میں ترغیب نہیں دی گئی۔ یہ محض قیاس ہے تو اب اس پر تعلیم نبوی پر شبہ ہوگا کہ اتنی بڑی بات آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں اس طور پر جمہور کی تقریر سے یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے کہ کاسر قوت بہیمہ کم کھانا نہیں بلکہ کاسر قوت بہیمہ مجاہدہ یعنی ترک عادت ہے کہ جس وقت طبیعت خورگھتی غذا سے اخلاط بنانے کی اس وقت اس کو غذا نہیں پہنچے گی تو لامحالہ قوت بہیمہ منکسر ہوگی۔^(۲)

یہ البتہ صواب معلوم ہوتی ہے چنانچہ مشاہدہ بھی ہے کہ باوجود شب کو توسع ہونے کے آخر رمضان میں کسی قدر ضعف ہو جاتا ہے اور اسی پر عاجز عن النکاح (نکاح سے عاجز) کے لئے صوم کا معالجہ تجویز فرمایا گیا ہے پھر اس پر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ رمضان میں رات کو کم کھاوے ورنہ غایت حاصل نہ ہوگی بلکہ اس کا قائل ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔^(۳)

(۱) ”کھاؤ پیو بھی اس وقت تک کہ تم کو سفید خط یعنی نور صبح (صادق) سے تمیز ہو جائے“ سورہ بقرہ: ۱۸۷
(۲) (حیوانی قوت ٹوٹے گی (۳)) (کما فی حجة الله البالغه من ابواب الصوم: ثم ان تقلیل الاکل والشرب له طریقان، احدهما: ان لا یتناول منهما الا قدرًا یسیرا والثانی: ان یکون المدة المتخللة بین الاکلات زائدة علی قدر المعتاد والمعتبر فی الشرائع هو الاول لا الثانی)) صفحہ ۲۳۲
”چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ابواب الصوم کے تحت کے مذکور ہے کھانے پینے میں تقلیل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ کھانے پینے کی قلیل مقدار تناول کرے دوسرے یہ کہ دو کھانوں کے درمیان مقدار معتاد سے زیادہ ہو اول طریقہ شریعت میں معتبر ہے دوسرا نہیں۔“

گناہوں سے بچنے میں روزہ کا دخل

دوسری تقریر حق تعالیٰ نے انہیں حضرات کی برکت سے میرے قلب پر وارد کی ہے۔ اس میں ایک دوسری بات بھی ہے کہ صوم کو گناہوں سے بچنے میں دخل اور طرح سے بھی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح شرک و کفر سے بچانے کے لئے جا بجا عذاب کا ذکر ہے مگر اس شرک و کفر سے بچنے میں وقوع عذاب کو دخل نہیں۔ تصور عذاب کو دخل ہے کہ یہ سوچنا کہ عذاب ایسا ہوگا سبب بن جاتا ہے ترک کفر و شرک کا (۱)۔ اسی طرح تصور حقیقت صوم کو بھی معاصی سے بچنے میں دخل ہے۔ مشہور تقریر کا حاصل تو یہ تھا کہ صوم ایسی ہیئت ہے (۲) کہ اس کا وقوع معاصی سے روکتا ہے اور اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ صوم ایک ایسی شے ہے کہ جس کی ہیئت کا تصور معاصی سے روکتا ہے۔ کسی کو عقل سلیم ہو تو روزہ کی حقیقت میں غور کرے کہ یہ کیا ہے۔ روزہ کی حقیقت ہے نہ کھانا نہ پینا، بیوی سے مشغول نہ ہونا، اس سے یہ سمجھ جائے کہ یہ چیزیں حلال تھیں جب یہ حرام کردی گئیں تو جو چیزیں پہلے سے حرام ہیں اور ان کا کیا درجہ ہوگا۔ پھر یہ خیال کرے گا کہ غیرت کی بات ہے کہ جو چیزیں حلال تھیں انہیں چھوڑ دیں اور حرام میں مبتلا ہوں۔

نفع روزہ

اب اگر رات کو خوب کھائے تو روزہ کا نفع کہیں نہیں جاسکتا۔ کیونکہ جس قدر جی چاہے کھائے مگر اس تصور اور غیرت کو کون مٹا دے گا کہ جب حلال چیزیں حرام کردی گئی تو حرام کا کیا حال ہوگا۔ پیتا ہے تو اس لئے کہ دن کو نہ پئے۔ بیوی (۱) شرک و کفر سے بچنے کے لئے عذاب ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ صرف اس کے ہونے کے تصور کرنے سے ہی آدمی گناہوں سے بچ جائے گا (۲) حالت۔

سے مشغول ہوتا ہے تو اس لئے کہ میں دن میں نہ مشغول ہو۔ غرض جب اس کا اکل (کھانا) ترک کے لئے ہے۔ تو حکماً وہ اکل بھی ترک اکل ہے (۱) تو رات میں بھی تارک ہے (۲) (حکماً) اور دن میں بھی تارک ہے (حقیقۃً) اب وہ شبہ جاتا رہا کہ رات کو جب پیٹ اناڑی کی سی بندوق کی طرح بھر لیا تو صوم کا کیا نفع ہوا۔ (۳) حاصل یہ ہوا کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں جو چیزیں باوجودیکہ حلال تھیں حرام کر دی گئیں۔ دن کو حقیقۃً رات کو حکماً تو یہ تصور ہوگا کہ اے نفس حرام چیزوں کا کیا حال ہوگا۔ اور اس سے غیرت آئے گی اور اس سے رمضان بھر گناہ چھوڑے رہے گا۔ پھر گناہوں کے چھورنے کا عادی اور قادر ہو جائے گا۔

چلہ رمضان

کیونکہ ایک مہینہ معتد بہ مقدار ہے (۴) خاص کر اخیر کے دس دن کہ ان میں صیام و قیام کی عبادت کے علاوہ اور بھی مزید عبادات ہیں دن کو تو اعتکاف ہے اور رات کو بھی بہ نسبت دوسرے لیالی (راتوں) کے کچھ عبادات زیادہ کی جاتی ہیں۔ بخیاں عشرہ اخیرہ (۵) کے خصوص لیالی قدر میں پس اس میں افعال مباحہ کی اور بھی تقلیل ہے تو یہ دس دن بجائے بیس دن کے ہوں گے تو گویا اس لطافت کے ساتھ چلہ پورا کیا گیا ہے (۶) کہ رہیں تو تیس دن اور کام ہو جاوے چالیس دن سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔ اگر کوئی طبیب ایسا کرے کہ دو مہینوں (۷) کی دوا ایک دن میں پلاوے تو وہ بجائے نفع کے سخت نقصان کرے گی بلکہ جان کو خطرہ میں ڈال دے گی۔ یہاں یہ ہے کہ چالیس دن کی دوا تیس دن میں اس طور سے پوری کر دی کہ

(۱) وہ کھانا بھی نہ کھاتا ہے (۲) چھوڑنے والا (۳) روزے کا کیا فائدہ (۴) ایک مناسب مقدار ہے (۵) اس خیال سے کہ عشرہ اخیرہ میں ثواب زیادہ ہوتا ہے عبادت زیادہ کی جاتی ہے (۶) چالیس دن پورے ہو کر چلہ مکمل ہوا (۷) دو دست آور دوائیں ایک ہی دن پلاوے تو فائدے کی بجائے نقصان ہوگا۔

تمہیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ بہر حال چالیس دن پورے کر دیئے اور چلہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں حدیث میں ہے ((من اخلص للہ اربعین يوماً ظہرت ینابیغک الحکمة من قلبہ علی لسانہ))^(۱)

کہ جس نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کیا حق تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری کر دیں گے۔

بعض بزرگوں نے شعبان کے دس دن ملا کر چالیس دن پورے کئے ہیں۔ مگر یہ اہل ہمت کا کام ہے۔

خلوص کی اہمیت

مگر یہ چلہ اس وقت مفید ہوگا جبکہ اس میں خلوص ہو ورنہ اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تم نماز پڑھا کرو اس نے کہا کیا دو گے کہا جب تم چالیس دن تک برابر پڑھتے رہو گے تو ایک بھینس دیں گے وہ راضی ہو گیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ان حضرت نے تو اس خیال سے کہہ دیا تھا کہ چالیس دن کے بعد اسے نماز کی عادت ہو جائے گی پھر یہ بھینس بھول جائے گا اور نمازی بن جائے گا۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے اس نے کہا لاؤ بھینس، انہوں نے کہا کیسی بھینس میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ کہنے لگا کہ جاؤ پھر میں نے بھی بے وضو ہی ٹر خائی ہے، تو اگر خلوص نہیں تو یہ کیفیت ہوگی اور اگر ہے تو یہ کیفیت ہوگی کہ ۔

شنیدم کہ رہروے در سر زمین ہی گفت ایں معمہ باقرینے

یعنی کوئی سالک یہ معما کہہ رہا تھا اپنے ایک ہم نشین سے ۔

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے

کہ شراب تو اس وقت صاف ہوگی جب چالیس دن شیشے میں رہے۔
شراب سے مراد محبت ہے اور شیشہ سے مراد قلب۔

تاثیر چلہ

میرٹھ میں موثر الانصار کے جلسہ میں بہت سے نو تعلیم یافتہ جمع تھے میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے اپنے شبہات کو حل کرنے کا بُرا طریقہ (۱) اختیار کیا ہے۔ اس طرح شبہات حل نہیں ہوا کرتے اگر واقعی آپ شبہات کو حل کرنا چاہتے ہیں تو چالیس دن کے لئے کسی محقق کے پاس جس پر آپ کو اطمینان ہو چلے جائیے اور اپنے تمام شبہات کی ایک فہرست لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کر دیجئے۔ اس اثناء میں اگر کوئی جدید شبہ پیش آوے اسے بھی فہرست میں لکھ دیجئے مگر زبان سے کچھ نہ کہیے اور چالیس دن تک اس کی صحبت میں بیٹھ کر برابر اس کی باتیں سنتے رہیے، میں تو کلاً علی اللہ (اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے) دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کے بغیر جواب دیئے آپ کے تمام شبہات حل ہو جائیں گے کہ پھر کبھی آپ کو اس قسم کا کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شبہ رہے گا بھی تو پوچھتے ہی فوراً دفع ہوگا۔

ایک ایڈیٹر اخبار کے بھی اس مجمع میں شریک تھے مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ کہو اب کیا کہتے ہو اس پر کوئی شبہ کرو، تو کہنے لگے اس پر شبہ تو جب کریں تجربے سے اس کے خلاف ثابت ہو اور تجربے سے پہلے کہنا تو محض اپنی حماقت کا اظہار کرنا ہے۔ پھر پوچھا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ بات تمہارے دل کو بھی لگتی ہے یا نہیں۔ کہنے لگے ہاں دل کو تو لگتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سچی ہے، حد ہوگئی، اب حجۃ اللہ ختم ہوگئی اگر اب بھی کوئی اپنے شبہات رفع نہ

کرے (۱) تو ہم پر کوئی الزام نہیں۔ اگر ڈاکٹر کہہ دے کہ دو مہینے تمہیں شملہ میں رہنا ہوگا یہاں کی آب و ہوا تمہارے لئے مضر ہے (۲) تو بجائے دو مہینے کے چار مہینے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور یہاں چالیس دن کے لئے فرصت نہیں ملتی۔ بات یہ ہے کہ مرض کا دفع کرنا ہی مقصود نہیں باتیں ہی ہیں بلکہ دفع مرض کے اسباب سے ہی دور بھاگتے ہیں۔ میرے ایک دوست مولوی عیسیٰ صاحب بی اے الہ آباد میں پڑھتے تھے میرے وعظ میں شریک ہوتے تھے خدا نے ایسا فضل کیا کہ ان پر وعظ کا اثر بہت پڑا ان کے ساتھ چند طالب علم بھی آیا کرتے تھے وہ ان کی حالت دیکھ کر کہنے لگے کہ وعظ میں شریک نہ ہونا چاہیئے ورنہ یہ اُن کی طرح ہمیں بھی بیکار کر دیں گے۔

اہل علم کا دنیوی ترقی سے احتراز کی وجہ

اللہ اکبر یہ عیسیٰ بننے کو بیکاری سمجھتے ہیں اور دجال بننا پسند کرتے ہیں۔ خبر بھی ہے یہ بیکاری کیسی ہے یہ وہ ہے۔

تاہدانی ہر کہ یزداں بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند (۳)
یعنی یہ کام کا نہ ہونا اور ترقی سے محروم ہو جانا ایسا ہوگا کہ آپ کا پانچ روپیہ ماہوار کا ایک باورچی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کا کھانا پکانا جانتا ہے اور وہ اتفاق سے آپ پر عاشق ہو گیا آپ کا کوئی دوست مہمان آیا آپ نے اسی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا اسے کھلایا اس نے بہت پسند کیا بہت خوش ہوا اور پوچھا کہ کس نے پکایا ہے آپ نے اپنے باورچی کا نام بتا دیا۔ اس دوست نے علیحدہ اس باورچی سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو ہم دس روپے مہینہ دیا کریں گے اس باورچی نے انکار کر دیا کہ

(۱) شبہات دور نہ کرے (۲) نقصان دہ (۳) ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا بنالیتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں۔“

مجھے تو یہ پانچ اچھے ہیں آپ کے دس سے۔ اس کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس نے دس روپے نوکری سے انکار کر کے ہمارے پانچ پر پڑا رہنا پسند کیا تو انصاف سے بتلائیے کہ آپ اس باورچی کی وفاداری سے خوش ہوں گے یا ناخوش ہوں گے کہ یہ ترقی کیوں نہیں کرتا۔ آپ کی تحقیق یعنی مشورہ ترقی کے موافق تو اسے دس روپے کی نوکری کر لینی چاہیئے اور آپ کے پانچ روپے پر لات مار دینی چاہیئے مگر یہاں پر آپ بھی اس کے ترقی نہ کرنے کی قدر کریں گے اور جی چاہے گا کہ اس کو خوب انعام و اکرام دوں۔ بس ملانے بھی یہی کہتے ہیں کہ اس باورچی کی طرح ساری دنیا پر لات مار دو پھر دیکھو کیسی ترقی ہوتی ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ در وہمت نیاید آں دہد
خود کہ باید ایں چنین بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را^(۱)
اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ سب کچھ تو دیں گے وہ خود بھی تمہارے ہو جائیں گے تو صاحب ایسے بیکار ہو جائیں گے میرے ایک اور دوست بھی بی اے اور ڈپٹی کلکٹر ہیں وہ اللہ والے ہو گئے تو ان کے ایک عزیز کہنے لگے کہ اس کا مواخذہ قیامت میں ان سے (یعنی مجھ سے) ہوگا کہ یہ قوم کو ترقی سے روک رہے ہیں۔ میں نے کہا جب میں آپ سے مدد چاہوں گا تو آپ میری مدد نہ کیجئے گا۔
غرض اس چالیس دن کے اندر عجیب خاصیت ہے تو یہ سمجھئے کہ اس نے چالیس دن تک گناہ چھوڑے۔

رمضان کے چلہ کی تحقیق

دوسری توجیہ اس چلہ کے پورا ہونے کی یہ ہو سکتی ہے کہ رمضان میں

(۱) ”نیم جاں یعنی ضعیف و حقیر و فانی جان لیتے ہیں جان باقی دیتے ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا وہ دیتے ہیں ایسا بازار کہاں مل سکتا ہے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن ہی کو خرید لے۔“

ہر شخص سحری کے وقت ضرور اٹھتا ہے اور عموماً یہ بھی عادت ہے کہ اس وقت نفلیں پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے تو تقریباً اس بیداری میں ٹکٹ لیل صرف ہوتی ہے تیس ٹکٹ کے دس دن ہوتے ہیں تو دس یہ اور تیس یہ مل کر چالیس پورے ہو گئے یا یوں کہیے کہ یہ دس بھی حکمی ہیں اور مذکورہ بالا بھی حکمی تھے اگر حقیقی دس کے برابر نہ ہوں گے تو اس کے نصف تو ضرور ہوں گے۔ یعنی پانچ ہوں گے۔ تو پانچ عشرہ اخیرہ کے اور پانچ ہر روز کی اخیر شب کے دس ہوئے اور تیس دن حقیقی غرض مجموعہ چالیس ہوئے اور ہر طرح چلہ پورا ہو گیا۔ چونکہ چالیس دن ایک معتد بہ مقدار ہے اور اس میں خاصیت یہی ہے کہ جو فعل اس میں کیا جاتا ہے وہ پھر سہل ہو جاتا ہے۔ نیز معتد بہ مقدار ہونے کی وجہ سے اس کی عادت اور اس پر قدرت بھی ہو جاتی ہے لہذا اب بے تکلف صوم پر ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (امید ہے کہ تم متقی بن جاؤ) مرتب ہو گیا۔

روح صوم

تو راز اس تقویٰ عن المعاصی کا دونوں تقریروں پر مجاہدہ ہوا۔ خواہ اس حیثیت سے کہ صوم سبب ہے کس قوت بہیمیہ^(۱) کا اور وہ سبب ہے ترک معاصی کا^(۲) خواہ اس حیثیت سے کہ صوم مرتبہ تصور میں سبب ہے ترک معاصی کا اس طرح کہ جب مباحات حرام کر دیئے گئے تو جو غیر مباح ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ بہر حال مجاہدہ سبب ہے ترک معاصی کا تو گوروزہ اس لئے سبب ہوا ترک معاصی کا یہ مجاہدہ ہے۔

تو یہ خاصیت ایسی ہے کہ اس کو روح الصوم^(۳) کہا جاوے مجھے آج روح الصوم

(۱) قوت بہیمیہ کے ٹوٹنے کا سبب روزہ ہے (۲) گناہوں سے چھوٹنے کا (۳) روزہ کی روح۔

ہی کا بیان کرنا ہے۔ پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر شئی کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے اسی طرح صوم کی ایک روح ہے ایک صورت یہاں پر ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ہم روزہ رکھ کر کیا کریں فقط اس کی روح کو جو مجاہدہ ہے حاصل کر لیں گے۔ بات یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ مثلاً نماز کہ اس کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ مثلاً خشوع و حضور قلب اس کی روح ہے۔ اسی طرح روزہ کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے اور اس کی روح مجاہدہ ہے۔

صورتِ صوم

اور ان ارواح میں عقلی احتمال دو ہیں کہ ان کے خواص کی تحقیق کے لئے صور خاصہ شرط ہیں یا نہیں ہیں۔ مگر ہم کو نصوص سے (۱) جن میں ان عبادات خاصہ کے فرضیت کا امر ہے (۲) معلوم ہو گیا کہ صور خاصہ شرط ہیں (۳) اور جہلائے صوفیاء کو بھی دھوکا ہوا کہ وہ سمجھ گئے کہ اعمال کی روح کے لئے صور خاصہ شرط نہیں اور انہیں غیر مقصود سمجھ کر چھوڑ بیٹھے۔ مثلاً انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی روح ذکر ہے۔ بس یہ ہر وقت ہونا چاہیے اور اس ہیئت خاصہ کی کوئی ضرورت نہیں (۴) اور اپنے اس زعم فاسد کی تائید میں مولانا کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون عاشقان ہم فی صلوة دائمون (۵)
انہوں نے اس کے کیا معنی گھڑے کہ پانچ وقت نماز کی ضرورت نہیں ہر وقت نماز میں ہونا چاہیے حالانکہ اس سے تو اور کثرت نماز کی ثابت ہوتی ہے۔

(۱) قرآن وحدیث (۲) حکم ہے (۳) عبادات کو ان کی مخصوص صورتوں میں ادا کرنا فرض ہے (۴) یعنی تکبیر تحریر قرأت رکوع سجدہ وغیرہ ارکان کی ضرورت نہیں (۵) ”نماز تو پانچ وقت آئی ہے عاشق ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔“

بہر حال ان جہلاء نے نماز کا ست نکالا کہ ذکر ہے (۱) تو بس ذکر کر لینا کافی ہے۔ اب پانچ وقت نماز پڑھنے کی کیا ضرورت رہی۔ خوب سمجھ لو کہ جتنے اعمال ہیں ان کی روح کے خواص کے لئے ان اعمال کی صورت خاصہ شرط ہیں (۲) تو اب جو ذکر روح نماز کی ہوگی وہی ذکر ہے جو نماز کے ساتھ پایا جاوے نہ کہ مطلق ذکر اور اس کی دلیل کہ نماز کی روح وہی ذکر ہے جو نماز میں پایا جاوے یہ حدیث ہے: ((من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر)) (۳) جس شخص نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا کافر ہو گیا۔

جس سے فرضیت صورت صلوٰۃ (۴) کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسے ظاہر معنی پر بھی نہ رکھا جائے تب بھی سخت وعید ہے تو اگر روح نماز مطلق ذکر میں حاصل ہو جاتی تو نماز کے ترک پر وعید نہ ہوتی بس صرف ذکر کے ترک پر وعید ہوتی اسی طرح نصوص کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال کو ان کی صورت خاصہ کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ترک پر وعید کیوں آتی۔ اب جو ان جہلاء صوفیاء نے یہ مانا کہ نماز کی روح ذکر میں آسکتی ہے تو یہ گویا ہندوؤں کا مسلک اختیار کر لیا کہ ارواح انسان میں تناسخ کے قائل تھے یہ ارواح عبادات میں تناسخ کے قائل ہوئے کہ ایک عبادت کی روح دوسری عبادت میں جاسکتی ہے۔ اس تقریر سے ان کی غلطی بھی معلوم ہو گئی ہوگی۔

نیز یہ معلوم ہوا کہ باطن کے لئے علوم ظاہرہ کی بھی ضرورت ہے جب بھی کافی ہو جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ روح صوم بدون صورت صوم نہ پایا جاوے گا (۵)۔

(۱) جو ہر نکالا کہ ذکر ہے (۲) اعمال کی روح اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک انکو ان مخصوص شکلوں میں ادا کیا جائے جو ان کے لئے مقرر ہیں (۳) کنز العمال: ۵۰۰۸ (۴) اس سے نماز کی مخصوص ہیئت کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے (۵) روزہ کی روح بغیر صورت روزہ کے نہیں پائی جائیگی۔

مجاہدے کی اہمیت

البتہ روزہ کی اہمیت سے ہمیں یہ ضرور پتہ لگا کہ مطلق مجاہدہ بھی عظیم الشان ہے کیونکہ صوم اسی کا ایک فرد ہے پس جس زمانہ میں روزہ فرض نہ ہوا اس وقت مطلق مجاہدہ کہ اس مجاہدہ کا مماثل (مثل) ہے وہ تم کو عطا فرمادیا۔

چونکہ شد خورشید مارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ یعنی آفتاب چھپ جائے تو چراغ ہی کافی ہے روزے ختم ہو جاتے ہیں مگر ان کا قائم مقام مجاہدہ موجود ہے اور ایک بزرگ کے کلام میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اے خواجہ چہ پرسی ز شب قدر نشانی ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی (۱)
اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر رات میں شب قدر واقع ہوتی ہے معنی یہ ہیں روح شب قدر قرب ہے اور وہ ہر رات میں موجود ہے۔ الغرض مجھے اس وقت مقصود بیان سے دو ہیں۔

مصدق اعظم روزہ

ایک یہ کہ روزہ کا مقصود روح مجاہدہ ہے کہ جس کا مصداق اعظم ترک معاصی ہے (۲) اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے روزہ میں جھوٹ نہ چھوڑا بُری اور بیہودہ باتیں نہ چھوڑیں خدا کو اس کے روزہ کی کچھ حاجت نہیں یوں تو خدا کو کسی کے روزہ کی بھی حاجت نہیں مطلب یہ ہے کہ روزہ کا جو مقصود ترک معاصی جب وہ اس سے نہ ہوا تو پھر روزہ کس کام کا ہوا۔ یہی مجاہدہ ہے جس کے حق تعالیٰ نے فضائل بیان فرمائے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (۳)

(۱) ”اے خواجہ شب قدر کی نشانی کو کیا دریافت کرتا ہے اگر قدر جانے تو ہر رات شب قدر ہے“ (۲) گناہوں کا چھوڑنا (۳) ”اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے“ سورہ عنکبوت: ۶۹۔

اور اس کا امر بھی فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ
الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ﴾ (۱)

اور اس کی حقیقت بھی فرمائی ہے۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (۲)
یعنی حقیقت مجاہدہ کی کیا ہے:

﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾

اور اس کے حاصل ہونے کی تدبیر یہ ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ﴾
جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اگر یہ کہو کہ آیات مجاہدہ میں مجاہدہ
سے مراد تو مجاہدہ مع الکفار (کافروں کے ساتھ جہاد کرنا) ہے تو جناب حدیث
شریف میں آیا ہے کہ شاید اس کی آپ کو خبر نہیں کہ ((المجاهد من جاهد
نفسه)) ”مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے“ مجاہدہ ظاہری میں
مشغول ہونا بہت سہل ہے۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ماند زوصمے بتر در اندروں
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سحرہ خرگوش نیست (۳)

(۱) ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو“ سورہ مائدہ:
۳۵ (۲) ”جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا“ سورہ
نازعات: ۴۰ (۳) سنن الترمذی: ۱۶۲۱ (۴) ”اے بزرگو! ہم نے ظاہری دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو
اس سے بھی بدتر اور ضرر رساں تر ہے باطن میں رہ گیا ہے جس کو نفس کہتے ہیں اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا محض
عقل و ہوشیاری کا کام نہیں کیونکہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں۔“

ہم نے باہر کے دشمن کو مار دیا ہے اور اندر کے دشمن کی بالکل پرواہ نہیں۔
حقیقت میں مجاہدہ نفس جہاد اکبر ہے اور مجاہدہ اہل نفس جہاد اصغر کیونکہ نفس کو معاصی
سے روکنا اور اس میں اس کی مخالفت کرنا ذرا سخت کام ہے۔

تفصیل مجاہدہ

اور جاننا چاہیے کہ نفس کی مخالفت کے تین درجے ہیں مخالفت فی
المعاصی (گناہوں میں مخالفت کرنا) مخالفت فی الحظوظ (لذات میں
مخالفت کرنا) مخالفت فی الحقوق (حقوق میں مخالفت کرنا) معاصی میں مخالفت تو
فرض و واجب ہے اور مخالفت فی الحقوق معصیت ہے جیسے کہ عنقریب آتا ہے البتہ
مخالفت فی الحظوظ میں تفصیل ہے۔ بالکل چھوڑ دینا مذموم ہے البتہ تقلیل اولیٰ ہے۔
کیونکہ بالکل چھوڑ دینے میں تنگ اور دق ہو کر (۱) تمام کام چھوٹ جانے کا اندیشہ
ہے بس نہ اسے بہت دق کرو نہ بالکل توسع کرو اوسط کی چال رکھو۔ (۲)

اور بالکل یہ حظوظ کے نہ چھوڑنے میں ایک دوسرا راز بھی ہے کہ اس سے
خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر گرم پانی پیو گے تو مری ہوئی زبان سے
الحمد للہ نکلے گا اور اگر ٹھنڈا پانی پیو گے تو نفس کو راحت ہوگی تو روئیں روئیں سے
الحمد للہ نکلے گا ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہی راز ہے کہ سفر حج میں زاد راہ
لے جانے کی ضرورت ہے تاکہ نفس تنگ نہ ہو۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اسی
وجہ سے ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام تھا۔

ایک شخص نے مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ایک شخص

(۱) پریشان ہو کر (۲) نہ بہت پریشان کرو نہ بالکل آزاد چھوڑ دو درمیانی راہ اختیار کرو۔

خالص شور بانہیں کھاتا پانی ملا کر کھاتا ہے۔ فرمایا کہ وہ ناقص ہے جو خدا کی خاص تجلی خالص میں ہے وہ اس پانی ملے میں کہاں ہے۔

تجلی فی النعمت

راز اس میں یہ ہے کہ خالص شور با کھا کر جی خوش ہوگا تو روئیں روئیں سے شکر پیدا ہوگا۔ اور تجلی سے مراد رویت نہیں ہے معرفت ہے۔ یہی تجلی ہے جس سے حق تعالیٰ اپنے کلام میں متجلی ہیں۔ یہی تجلی ہے جس سے وہ اپنی نعمتوں میں متجلی ہے کلام میں اس کا مشاہدہ کرو۔ نعمتوں میں اس کا مشاہدہ کرو۔

ایک حکایت یاد آئی زیب النساء مخفی تخلص کرتی تھی اور بڑی شاعرہ تھی۔ ایران کے بادشاہ کے ایک مصرع پر مصرع لگایا وہ مصرع ایسا تھا کہ اس پر کوئی مصرع لگانہ سکتا تھا۔ (۱) بس بادشاہ نے دہلی عالمگیر کو لکھا اس شاعر کو ہمارے پاس بھیج دو جس کا یہ مصرع ہے۔ بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی۔ زیب النساء سے کہا اور مصرع لگاؤ دیکھو یہ ہے اس کا نتیجہ۔ زیب النساء نے یہ قطعہ لکھ دیا کہ اسے جواب میں لکھ دیجئے۔

بلبل از گل بگذر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا (۲)

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ کسی عورت کا مصرع ہے۔ اسی طرح اگر خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کے کلام میں دیکھو۔

چیسٹ قرآن اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بناس (۳)

(۱) وہ مصرع یہ تھا ”در ابلق کے کم دیدہ موجود“ اس پر اس نے یہ مصرع لگا کر شعر مکمل کیا تھا ”گر“ اشک بیتان سرمہ آلود“ (۲) بلبل اگر مجھ کو چمن میں دیکھ لے تو پھول کا عشق چھوڑ دے اور اگر برہمن مجھ کو دیکھ لے تو وہ بھی بت پرستی ترک کر دے۔ میں سخن میں مخفی ہوں جس طرح بوئے گل برگ گل میں مخفی ہے جس شخص کو میرے دیکھنے کی خواہش ہے وہ مجھ کو کلام میں دیکھ لے“ (۳) ”اے کلام کے حق پہچاننے والے قرآن پاک کیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف لوگوں کے رب کا رہنما ہے۔“

اسی طرح خدا کا مشاہدہ اس کی نعمتوں میں ہے۔

الحاصل لذات کو بالکل نہ چھوڑے تیسرے مخالفت فی الحقوق۔ اس میں نفس کی مخالفت حرام ہے۔ مثلاً اتنا کھانا ضروری ہے کہ ضعف نہ ہو^(۱) اور اتنا سلانا ضروری ہے کہ کسل نہ ہو^(۲)۔ میں اپنے دوستوں کو ہتلا یا کرتا ہوں کہ آٹھ گھنٹے سویا کرو اگر اتنا نہ سوؤ تو کم از کم چھ گھنٹہ تو ضرور سویا کرو۔ ورنہ اس سے کم سونے میں دماغ میں بیوست (خشکی) پیدا ہوگی۔ پھر رفتہ رفتہ اس سے جنون وغیرہ ہو جائے گا پھر جتنا کام کر لیتے تھے اس سے بھی جاتے رہو گے۔ بس مجاہدہ کی یہ تفصیل ہے۔

ارکانِ مجاہدہ

اور مجاہدہ اصل میں چار چیزوں کا نام تھا۔ قلت الطعام (کم کھانا) قلت المنام (کم سونا) قلت الکلام (کم بولنا) قلت الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم میل جول رکھنا) مگر اب دواول کی حذف ہو گئیں اور دواخیر کی رہ گئیں۔ ایک قلت الکلام دوسرے قلت الاختلاط مع الانام یعنی لوگوں سے کم ملنا۔ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بیٹھکوں اور چوپالوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی کہیں لگایا کرتے ہیں کہیں اخبار پڑھتے ہیں کہیں شطرنج کھیلتے ہیں افسوس یہ لوگ اپنے فراغ کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ان کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ ۔

خوشا روز گارے کہ دارد کسے کہ بازار حرص نباشد بے
بقدر ضرورت بیارے بود کند کارے از مرد کارے بود^(۳)

غرض اس طرح سے لوگ اپنے اوقات ضائع کرتے پھرتے ہیں۔

(۱) کمزوری (۲) سستی (۳) ”فراغت عجیب چیز ہے اگر کسی کو حاصل ہو۔ زیادہ کی اس کو طمع نہ ہو ضرورت کے موافق اس کے پاس مال بھی ہو تو اس کو کچھ کرنا چاہئے اپنے اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔“

اور جو دو متروک ہو گئیں وہ یہ ہیں۔ قلت الطعام۔ قلت المنام یعنی کم کھانا اور کم سونا (۲)۔ یعنی اس کی بالکل اجازت ہے کہ پیٹ بھر کھاؤ کم نہ کھاؤ لیکن جی بھر کے یعنی نیت بھر کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس کا مرتبہ پیٹ بھرنے کے بہت بعد ہے۔ ایک ہے پیٹ بھرنا ایک ہے نیت بھرنا تو نیت تو بھر نہیں کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دوسرے وقت بھوک نہیں لگتی طبیعت پر ثقل (گرانی) رہتا ہے۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی۔

بسیار خوری

بعض لوگ تو اس قدر کھا لیتے ہیں کہ پیٹ میں سانس لینے کی بھی جگہ نہیں رہتی۔ مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبیب بھی تھے۔ ایک شخص آیا کہ نسخہ لکھ دیجئے میرے پیٹ میں درد ہے۔ مولانا نے کوئی دوا پینے کی لکھ دی کہنے لگا حضرت اگر اتنی ہی گنجائش ہوتی تو میں ایک لقمہ اور نہ کھاتا۔ ایک اور بخیل کی حکایت ہے کہ وہ بھی عمدہ کھانوں کے لالچ میں بہت کھا گیا تھا۔ پیٹ میں درد ہوا طبیب کے پاس گیا۔ طبیب نے کہا کہ انگلی ڈال کر نکال ڈالو۔ کہنے لگا ایسا عمدہ پلاؤ جس میں اس قدر کھی اور ایسا نفیس مزرعہ اسے کیونکر نکال ڈالوں۔ بہر حال پیٹ بھر کر کھاؤ اس کے بعد چھوڑ دو۔ ہاں اگر ایک آدھ لقمہ کم کھاؤ تو بہتر ہے کیونکہ اس میں نفع یہ ہے کہ دوسرے وقت بھوک لگے گی۔ اور جو کچھ کھاؤ گے وہ جزو بدن بنے گا اور اس میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ امراء کیا کرتے ہیں کہ ایک وقت کھانا زیادہ کھا گئے۔ اب دوسرے وقت کھانا پاس آیا تو مصاحبین سے پاس

کراتے ہیں کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ وہ خوشامدی اپنے کھانے کی لالچ میں کہہ دیتے ہیں کہ نہیں حضور کچھ تو کھالیجئے۔ یہ خود غرض لوگ اپنی مصلحت کو دوسرے کی مصلحت پر مقدم کرتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے کہ ایک شخص سرائے میں ایک لیموں لے کر جایا کرتا تھا۔ جس خوشحال مسافر کو کھانا کھاتے دیکھتا تھا کھڑا ہو جاتا تھا۔ لوگ خواہ مخواہ شرما شرمی اس کو دعوت دیتے تو بیٹھ جاتا اور اگر کسی نے دعوت نہ دی تو جھٹ لیموں کاٹ کر اس کے آگے نچوڑ دیتا تھا۔ اور لیموں کی بڑی تعریف کرتا تھا لوگ اب تو ضرور اسے کھانے میں شریک کر لیتے تھے تو جس طرح یہ اپنی غرض کے لئے لیموں کی تعریف کرتا تھا اسی طرح مصاحبین بھی اپنے کھانے کے لئے حضور کو اصرار کر کے تھوڑا بہت کھلا ہی دیتے ہیں کیونکہ اگر حضور نہ کھائیں تو انہیں ویسے کھانا کون کھلائے تو اگر ایک آدھ لقمہ کی کسر رکھو گے تو جب کھانا پاس آوے گا اسے پاس کرانے کی ضرورت نہ ہوگی بہر حال نہ خوب تن کر کھانا چاہیئے نہ بھوکا رہنا چاہیئے کہ آج کل کے قویٰ بہت ضعیف ہیں۔

اسباب ضعف

جس کی زیادہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل شادی کم عمری میں ہوتی ہے اعضاء میں پورا نمونہ نہیں ہونے پاتا اتنی جلدی شادی کرنے کی وجہ یا تو چوچلا ہے کہ چھوٹے چھوٹے دولہا دلہن دیکھنے کا ارمان ہے اور کہیں حوصلہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مرجائیں اور بیٹے کی شادی نہ دیکھ سکیں اور کہیں ماں باپ کا قصور نہیں ہوتا بلکہ خود بچے ہی ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی مستیاں شروع کر دیتے ہیں جس سے ماں باپ کو ان کی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر پہلی صورتوں میں کبھی تو صرف نکاح کر دیتے ہیں اور رخصتی بعد میں کرتے بعضے رخصتی کر کے بھی دولہا کو تاکید

کرتے ہیں کہ چندے علیحدہ رہنا مگر اس میں نکاح کے بعد ذرا بیوی سے الگ رہنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر جدا رہنے کا یہ اہتمام ایسا ہی ہے جیسے کسی کا قول ہے ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز میگوئی کہ داماں ترکمن ہشیار باش (۱)

لڑکوں کی اس میں کیا شکایت کبھی تم نے بھی ایسا کیا تھا کہ ایسی حالت کے بعد علیحدہ رہتے۔ بہر حال شادی کم عمری میں ہوتی ہے کہ ماں باپ ہی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بچے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو وہ جو مشہور ہے کہ قیامت کے قریب بالشتیوں کی آبادی ہوگی تھوڑے دنوں میں بالکل سچ ہو جائے گا۔ اگلے زمانے کے لوگ بڑے قوی ہوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ شادی سن نمو ختم ہونے کے بعد ہوتی تھی (۲)۔ اسی سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ تو یہ وجہ ہے ضعف کی۔ اب ضعف کی حالت میں کم کھانا کم پینا تو محض نفس کو مارنا ہے ہمارے بعض دوستوں نے اپنی رائے سے کم کھانا شروع کیا تھا جب اس کا نقصان دیکھا تو توبہ کی تو یہ قسم مجاہدہ کی چھوڑ دو۔ ہاں کم ملنے کم بولنے کی عادت اختیار کرو۔

نسبت کے حصول کا طریقہ

تو حاصل اس تقریر سے یہ نکلا کہ گناہوں کا چھوڑنا اور خلوت کا اختیار کرنا جس میں تقلیل طعام بھی میسر ہو جاوے گی۔ یہ بڑی چیز ہے چنانچہ تجربہ کر لو کہ صرف خلوت اور ترک کلام پر اکتفا کرے اور معاصی بھی ترک کر دے تو ان شاء اللہ نسبت باطنی حاصل ہو جائے گی۔ چاہے ذکر بہت ہی کم کرے اور اگر اتنا ہی زیادہ ذکر کرے مگر خلوت و تقلیل کلام نہیں تو نسبت کبھی نہیں حاصل ہو سکتی۔ ایک بزرگ

(۱) ”دریا میں تختہ میں باندھ کر ڈال دیا پھر کہتے ہیں خبردار کہ دامن تر نہ ہو“ (۲) شادی اعضاء کی بڑھوتری مکمل ہونے کے بعد ہوتی تھی۔

نے خلوت کا عجیب طریقہ اختیار کیا تھا کہ بس ہر وقت نوافل پڑھتے رہتے تھے اگر کوئی آیا بیٹھا رہا سلام پھیر کے صرف معمولی مزاج پر سی کر کے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس طرح کرنے سے خود بخود کم آتے تھے اور کوئی بُرا بھی نہ مانتا تھا۔ اور شہرت بھی نہ ہوتی تھی کہ خلوت نشین ہیں۔ ایک بزرگ نے یہ کیا تھا کہ جب کوئی کچھ کہتا فرماتے لکھ کر دو مجھے سنائی نہیں دیتا۔ فضول باتیں کون لکھ کر لاتا بس اس طرح حکایت شکایت غیبت سننے سے بچے رہتے تھے۔ ایک اور بزرگ کا طریقہ یہ تھا کہ دن کو بالکل نہیں بولتے تھے اس میں یہ تھا کہ فضول بکواس والے اپنا آرام چھوڑ کر رات کو نہیں آتے۔ غرض خلوت کے بہت طریقے ہو سکتے ہیں اگر صاحب کمال ہے تو خود تجویز کرے۔ ورنہ شیخ سے مشورہ کر لے اور زیادہ بولنے سے بڑی بڑی خرابیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ کہیں زبان سے کسی کی حکایت نکلتی ہے کسی کی شکایت نکلتی ہے کسی کی غیبت ہو جاتی ہے۔

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن (۱)
کیسی ہی اچھی باتیں ہوں مگر ہوں غیر ضروری تو اس سے بھی قلب میں کدورت پیدا ہوگی حتیٰ کہ وعظ بھی اگر غیر ضروری مضامین پر مشتمل ہوگا وہاں بھی یہی ہوگا اور اگر کم ملنا اختیار کر لو تو مستقلاً کم گوئی کے حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

مجاہدہ معتدلہ

غرض یہ ہے کہ مجاہدہ اس زمانے کے مناسب صرف یہ ہے کہ کم ملو، کم بولو، اور قدرے لذات میں بھی تقلیل کر دو اور اتنا مبالغہ مت کرو جیسا ایک درویش نے میرے سامنے ایک خربوزہ کھایا تو کہنے لگے آج سترہ برس کے بعد کھایا ہے۔

(۱) ”دل میں فضول کلام سے کدورت پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ کلام نہایت عمدہ ہو۔“

ہمارے حضرت سب کچھ کھاتے تھے ایک مرتبہ کہیں سے انکو آئے سب کو تقسیم کئے گئے اور فرمایا کہ یہ حب فی اللہ کے سبب آیا ہے اس کے کھانے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو چاہے پئے جب تک حرام سے بچتا رہے تو سب کچھ کھاؤ پیو مگر حرام سے بچے رہو یہ ہے مجاہدہ معتدلہ۔

تجویز مجاہدہ

بہر حال مجاہدہ روح ہے روزہ کی اور رمضان کے بعد اور دنوں میں بھی وہ مجاہدہ اختیار کرو جو اس مجاہدہ سے اتحاد بالنوع کا علاقہ رکھتا ہے مگر اس میں ذرا تدقیق سے کام لو (۱) کیونکہ احیاناً شیطان طاعت کے بہانے معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے مثلاً ایک وہ شخص ہے کہ جس پر حج فرض نہیں اسے حج کے لئے ورغلاتا ہے کہ یہ مجاہدہ ہے اس کے بعد جب یہ حج کو چلتا ہے تو سب سے پہلے یہ خرابی ہوتی ہے کہ جماعت ترک ہوتی ہے پھر نماز ترک ہونے لگتی ہے پھر سفر کے مصائب سے قلب میں خدا کی شکایت پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے ایسے ہی حجاج کے بارے میں شیخ مسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جا است بیائید بیائید (۲)
یہی وہ لوگ ہیں جنہیں حج میں معشوق نہیں ملتا کیونکہ ان کا معشوق تو یہیں ہے اس لئے مناسب ہے کہ شیخ سے پوچھئے۔ شیخ اس کے مکائد کو خوب جانتا ہے۔

فان فقیہا واحداً متورعاً اشد علی الشیطان من الف عابد (۳)

اور یہ اشدیت اس لئے ہے کہ شیطان نے پہلے ایک بات دل میں ڈالی پھر بڑی مشکل سے اسے جمایا۔ شیخ نے اس کی شرارت کو سمجھ کر ظاہر کر دیا تو شیطان

(۱) تحقیق (۲) ”اے لوگوں کو کہاں جاتے ہو محبوب یہاں ہے ادھر آؤ“ (۲) ”ایک پرہیزگار عالم شیطان پر

اپنا سر پیٹ لے گا کہ برسوں کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ اور ایسوں سے تو یہ پہلے ہی سے ناامید تھا۔ اسی واسطے اس نے عرض کیا تھا: ﴿لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ﴾ (۱)

اور اشدیت سے غلجآن نہ ہو کہ جب شیطان ان کا دشمن ہے تو خدا جانے ان کو کیا کیا ضرر پہنچا دے۔ بات یہ ہے کہ اگر شیطان ان کا دشمن بھی ہوگا تو بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی مثال خربوزہ کی ہے اور وہ مثل چھری کے ہیں کہ اگر خربوزہ چھری پر گرے تب بھی خربوزہ ہی کٹے گا اور چھری خربوزہ پر گرے تب بھی وہ ہی کٹے گا۔ اسی طرح اگر یہ اہل اللہ کا دشمن ہو تب بھی اسی کا نقصان اور اگر وہ دشمن ہوں تب بھی اسی کا نقصان۔ بہر حال مجاہدہ کا طریقہ بڑا باریک ہے اس لئے کسی جاننے والے سے پوچھو۔

دائمی روزہ

مجھے اس وقت دو باتیں بتلانا تھیں کہ ایک تو رمضان میں معاصی ترک کرو خلوت اختیار کرو۔ لوگوں سے کم ملو۔ کم بولو۔ دوسرے رمضان کے بعد مجاہدہ کرتے رہو۔ صرف رمضان ہی پر اکتفا نہ کرو تو گویا بعد ماہ صیام (رمضان) بھی صیام میں مشغولی رہے گی۔ اور اس کی تائید بزرگوں کے کلام سے ہوتی ہے کہ انہوں نے غیر صوم کو بھی صوم اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ نماز کو جو مجموعہ عبادات و مجاہدات کہا ہے تو اس میں نہ کھانے نہ پینے کو صوم کے حکم میں قرار دیا ہے اور حدیث مرفوع ہے ((سباحة هذه الامة الصيام)) (۲) اس امت کی سیاحت یعنی سفر ہجرت روزہ ہے، حالانکہ سیاحت کے معنی سفر کے ہیں چنانچہ سائحین کی تفسیر مہاجرین سے

(۱) ”اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں“ سورہ ص: ۸۳: ۸۴

(۲) تفسیر القرطبی: ۲۷۰/۸۔

وارد ہے لیکن تشبیہاً روزہ کو سفر ہجرت قرار دیا گیا اور ظاہر ہے کہ وجہ تشبیہ یہی مشقت و مجاہدہ ہے پس اس سے مجاہدہ کا روح صوم ہونا ظاہر ہو گیا چنانچہ ابن عیینہ سے منقول ہے: ((انما سُمی الصائم سائحا لتركه اللذات كلها من المطعم والمشرب والنكاح)) (۱) اور ایک حدیث مرفوع میں ہے: ((سیاحة امتی الجہاد فی سبیل اللہ)) (۲) اور ظاہر ہے کہ دو مرفوع حدیثوں میں تطابق ضروری ہے پس اس سے صوم اور مجاہدہ کا اتحاد اور اظہر ہو گیا اور مجاہدہ کا روح صوم ہونا اور اظہر ہو گیا۔ سیاحت کے متعلق روایات کمالین سے لے لیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ میں اسی روح کی طرف اشارہ ہے۔

مشقت کا علاج

تو صاحبونہ یہ روح بلا جسد متحقق ہے اور نہ جسد بلا روح معتبر ہے (۳) تو اگر روزہ رکھو تو معاصی کو بھی چھوڑ دو بعضے روزہ رکھ کر کیا کرتے ہیں کہ کہیں شطرنج کھیلتے ہیں کہیں تاش کھیلتے ہیں اور کہیں ہارمونیم بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ بہلاتے ہیں۔ تمہیں روزہ بہلانے کی کیا ضرورت۔ یہ تو خود بہلانے والی چیز ہے اسے بہلانے کی کیا ضرورت۔ گر ایسا ہی بہلانا ہے تو بہلانے کی چیز ایک دوسری ہے یعنی: ﴿وَإِذْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الذِّكْرُ﴾ خدا کا ذکر کرو۔ قرآن پڑھو۔ نماز ایسی دل بہلانے کی چیز ہے کہ جب یہود نے ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کے متعلق یہ گستاخی کی کہ اس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ لیٹ گئے اور حضور ﷺ سخت آزرده ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ (۴) یعنی ہم نے آسمان اور زمین پیدا کیا اور ہم تمہکے نہیں۔ تو آگے

(۱) ”کھانے پینے اور جماع کی تمام لذتوں کے چھوڑنے کی وجہ سے روزہ دار کا نام سائح رکھا گیا ہے“ (۲) ”میری امت کی سیاحت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے“ اتحاف السادة المتقين ۷/۲۹۵ (۳) نہ روح بغیر جسم اور نہ جسم بغیر روح کے معتبر ہے (۴) سورہ ق: ۳۸۔

اس آرزو کی تدبیر فرماتے ہیں: ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ آپ ان کے کہنے پر توجہ نہ کیجئے صبر کیجئے بھلا اتنی بڑی بات سنیں صبر کیسے کریں اس کا طریقہ بتلاتے ہیں ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے (اس میں نماز بھی داخل ہے) سورج نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) یعنی نماز میں لگ جاؤ۔ پھر کسی کی پرواہ ہی نہ ہوگی کیونکہ جب محبوب کی طرف توجہ ہوگی تو کسی اور طرف دھیان نہ ہوگا کیونکہ خدا کی یاد وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی مشقت کا پتہ نہ لگے گا۔ اور دوسری مشقتیں تو کیا خود موت کی مشقت جسے حق تعالیٰ نے بھی مصیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور کسی مشقت کا نام لے کر اس کو مصیبت نہیں فرمایا کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی، چنانچہ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۷

خرم آں روز گزریں منزل ویراں بروم راحت جاں ظلم و زپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تادرمیکده شاداں و غزل خواں بردم^(۱)
ذکر کی برکت

یہ ذکر اللہ ہی کی برکت ہے کہ موت کی تمنا کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں مبارک ہے وہ دن جس میں اس ویران بستی سے گزر ہوگا۔ شاید کوئی یہ کہے کہ یہ تو مرنے سے پہلے ہے عین مرنے کے وقت اگر ایسی حالت ہو تو جانیں، تو لیجئے مرنے کے وقت بھی ایک بزرگ فرماتے ہیں ۷

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم
چسپت توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا^(۲)

(۱) ”جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ بہت اچھا راحت جاں طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤ۔ میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش و خرم اور غزلیں پڑھتا ہوا جاؤں“ (۲) ”اب وہ وقت آگیا کہ میں عریاں ہوں جسم کو چھوڑ کر سراسر جان بن جاؤں۔ توحید یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں غیر اللہ سے قطع تعلقات کر دو“

ابن الفارض رحمہ اللہ کا جب وصال ہونے لگا تو آٹھوں جنتیں منکشف ہوئیں فرمانے لگے۔

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی
یعنی اگر یہی میری محبت کی قدر ہوئی تو میری ساری محنت برباد گئی پھر
جنتیں مستور ہو گئیں اور تجلی مطلوب ہوئی۔ اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی اور
وہی مضمون صادق آگیا کہ۔

گر بیاد ملک الموت کہ جانم بہر د تانہ یتنم رخ تو روح و میدن نہ دہم (۱)
یہ حالت عین موت کے وقت کی تھی۔ اب بعد وقوع موت کے ان
حضرات کی حالت جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہے سنئے۔ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی
کہ ہمارا فلاں مرید ہمارے جنازے کے ساتھ یہ پڑھتا جائے ہماری روح خوش ہوگی۔
مفسلا نیم آمدہ در کوئی تو شئی للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست و بر بازوئے تو (۲)
چنانچہ وصیت پر عمل کیا گیا جب آثار سے ان کا صدق معلوم ہے تو یہ سمجھا
جاوے گا کہ اس سے ان کی روح کو فرح ہوئی جس کا وقوع اس عالم میں ہوا۔ اور
فرح آخرت جدا ہے۔

سلطان نظام الدین رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ جب آپ کا جنازہ لے چلے
تو آپ کے ایک مرید شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے۔

(۱) ”اگر ملک الموت میری جان لینے کو آئے تو میں جب تک آپ کی تجلی نہ دیکھ لوں جان نہ دوں گا“
(۲) ”آپ کے دربار میں مفلس ہو کر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عنایت کیجئے۔ ہماری زنبیل کی
طرف ہاتھ بڑھائیے۔ آپ کے دست و بازو پر آفریں ہے۔“

سروسیمینا بھجرائے مے روی سخت بے مہری کہ بے مایروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا میروی^(۱)
کتاب میں لکھا ہے کہ کفن سے باہر آپ کا ہاتھ نکل آیا۔ اس کے بعد
انہیں اشعار پڑھنے سے روک دیا گیا۔ پھر ہاتھ اسی طرح کفن میں برابر ہو گیا۔
اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ایسے شخص کے اطمینان کا۔

کوئے نو میدی مرو کا مید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست^(۲)
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق مثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
وہاں نہ حزن ہے نہ غم ہے یہ فقط اس نام پاک کی برکت ہے۔

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام شیر و شکر مے شود جانم تمام^(۳)
تو صاحب یہ نام تھوڑا ہے دل کے بہلانے کو اس میں دل بہلاؤ اس کے
بعد تمہیں کسی اور چیز کی کیا حاجت ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند و عزیز و خانماں راچہ کند^(۴)
مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ فہم اور
توفیق عمل کی عطا فرمادیں۔ آمین^(۵)

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ

تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد

و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

(۱) ”اے محبوب آپ جنگل میں جارہے ہیں سخت بے مہری ہے کہ بغیر ہمارے جارہے ہیں۔ اے محبوب آپ کا
رخ انور جہان کا تماشا گاہ ہے۔ آپ تماشا کے لئے کہاں جارہے ہیں۔“ (۲) ”نا امید کی راہ نہ جاؤ بہت سی
امیدیں ہیں۔ تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں۔“ (۳) اللہ اللہ کیا شیریں نام ہے میری تمام جان
شیر و شکر ہوئی جاتی ہے (۴) ”جس شخص کو آپ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو جان اور فرزند و اسباب کی پرداہ
نہیں۔“ (۵) اللہ تعالیٰ اس وعظ کے علوم سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

